کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:17 Issue:1 January 2024

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

قصص الانبیاء ثباتِ قلبی کا ذریعہ ہے

از: مولانا محمد عبد القادر فرید قاسمی*

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۰﴾ (سورۃ ھود)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) گذشتہ پیغمبروں کے واقعات میں سے وہ سارے واقعات ہم تمہیں سنا رہے ہیں جن سے ہم تمہارے دل کو تقویت پہنچائیں۔ اور اُن واقعات کے ضمن میں تمہارے پاس جو بات آئی ہے وہ خود بھی حق ہے اور تمام مومنوں کے لئے نصیحت اور یاددہانی بھی ہے۔

توضیح: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جیسے ہی اعلان توحید ورسالت کیا تو مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا غیر تو غیر ٹھہرے اپنوں نے بھی ایذا رسانی اور مخالفت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، منصوبہ بندی، سازشیں، مقاطعہ، سماجی بائیکاٹ، زمین باوجود وسعتوں کے تنگ کر دی گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک امید کے ساتھ اپنے شہر سے نکل کر دوسرے شہر پیغام دعوت ورسالت لے کر پہنچے کم از کم اس جگہ کے لوگ تو سمجھداری سے کام لیں گے لیکن ان کا ردِ عمل امید کے خلاف سامنے آیا، طائف کے جن بھائیوں کو باشعور، سنجیدہ خیال کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہنچے مگر بیہودگی دشنام طرازی، سنگباری کا نشانہ بنایا گیا، غرض یہ کہ مکہ کی سرحدوں پر کھڑے ہو کر پیغام رسانی کا کام کریں تو وہاں بھی مخالفت، شہر میں آجائیں تو وہاں بھی طعنے، بازاروں میں جائیں تو وہاں بھی رسوائیاں، صحن کعبہ میں آجائیں جہاں ایک دشمن کو بھی امن ملتا ہے اس جائے امن میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ظلم وتمسخر والا معاملہ، گلی کوچوں سے گزریں تو ایذا رسانیاں۔۔۔۔۔ جائیں تو جائیں، کدھر جائیں؟ برداشت کریں تو کس قدر کریں؟

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قلب مبارک کبھی کبھار ان مخالفانہ سرگرمیوں، منصوبہ بندیوں، ایذا رسانیوں سے تنگ

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر

آ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب سے اپنی کمزوری وضعف قوت کا شکوہ فرماتے، چنانچہ مختلف آیات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔۔۔، فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۔۔۔، مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی یہ تسلی خطاب کے ساتھ دی جاتی اور کبھی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے واقعات نازل فرما کر، اس کا مقصد یہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر کو مضبوط بنایا جائے کہ کفار ومشرکین کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں میں آپ تنہا نہیں ہیں بلکہ آپ سے پہلے جتنے پیغمبر گزرے ہیں وہ بھی اس راہ میں تکالیف برداشت کیے ہیں۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ

آج کے اس گندی سیاست، زہریلے افکار کے ماحول میں جہاں ہر طرف نفرت کی دیواریں کھڑی ہیں، خون مسلم ارزاں سمجھا جانے لگا ہے، اقوام عالم کے پاس جانوروں کی قدر تو ہے مگر مسلمان ان کے نزدیک اس سے بھی گئے گزرا ہے۔۔۔۔۔۔ نہ کوئی ترس کھانے والا ہے بلکہ اس وقت اقوامِ عالم پوری دنیا میں مسلمانوں کے حق میں ''الکفر ملۃ واحدۃ'' کی تصویر بنی ہوئی ہیں، ایسے ہی بدترین حالات کو دیکھ کر دل میں یہ بات گردش کرتی ہے کاش یہ لوگ بھی اسلام کے قریب ہوتے یا مسلمان ہوتے قرآن مجید نے ان جیسے خیالات کا بہت پہلے ہی جواب دے دیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو پوری انسانیت کو مسلمان بنا دیتا لیکن اس کی حکمت اس بات کی متقاضی نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو آزادی دے رکھی ہے کہ وہ اپنے شعور سے جس دین پر چاہیں عمل کریں لیکن ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان ایسے پرآشوب دور میں اپنے دل کو مضبوط بنانے اور ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کیا کرنا چاہیے مذکورہ آیت میں اسی پریشانی کا علاج ہے کہ جب اہل ایمان کے قلوب تنگ ہوجائیں، ان کو ہر طرف سے گھیر لیا جائے، صورتحال ناگفتہ بہ ہو تو ایسے وقت انبیاء کرام کے ثبات وعزیمت کے واقعات پڑھنا اور سننا چاہیے اس سے دل مضبوط ہوتے ہیں، ایمان پر استقامت کا حوصلہ ملتا ہے، خدا کے نام پر مرمٹنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں فشانیاں، راہ استقامت میں بے نظیر وبے مثال قربانیاں جسے دیکھ کر چشم فلک بھی نم ہوجائے، کلیجے بھی شق ہوجائیں یہ وہ واقعات ہیں جن کے پڑھنے سے ایمان کو جلا ملتی ہے اور ایمان فزوں تر ہوتا ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے واقعات کا سننا اور پڑھنا یہ وہ نسخہ ہے جس کے ذریعے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے دل کو مضبوط کیا گیا۔ حالات کس قدر بھی خراب ہوجائیں اہل ایمان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی خفیہ تدبیریں ان ظالموں کی مکاریوں پر ضرور غالب آ کر رہیں گی وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔



درسِ حدیث

حصولِ نجات کا نبوی نسخہ

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَقِيتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقُلْتُ: مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ (ترمذی: 2406)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر کے عرض کیا: نجات کس چیز میں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی زبان پر قابو رکھو، آپ کا گھر آپ کے لئے کشادہ اور کافی ہونا چاہیے اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

تشریح: اللہ تعالیٰ شانہٗ کی توفیق وہدایت سے ہم مسلمان ہیں، ہر مسلمان کا اعتقاد ہے کہ اس کائناتِ رنگ وبو میں رہ کر ہمیں دراصل فلاحِ عقبیٰ اور نجاتِ اُخروی کی فکر کرنا ہے، آخرت میں کامیابی جہنم سے نجات پر ممکن ہے، نجات پانے کے راستوں کی راہنمائی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں ہے، مذکورہ بالا حدیث میں حصولِ نجات وفلاح کا ایک بہترین نسخہ بیان کیا گیا ہے، صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں تین باتیں بیان فرمائیں۔

۱۔ **زبان کو قابو میں رکھنا:** زبان جسمِ انسانی میں ایک ایسا عضو ہے جس کے بارے میں بجا طور پر عربی زبان کا یہ مقولہ صادق آتا ہے، ''جِرْمُهٗ صَغِيْرٌ وَجُرْمُهٗ كَبِيْرٌ'' یعنی زبان کا جسم وجثہ تو بہت چھوٹا ہے، لیکن اس کے جرائم اور پاپ بڑے اور بہت ہیں، یہی وجہ ہے کہ پورے انسانی بدن سے صادر ہونے والے گناہوں کو ملا کر اتنے نہیں ہوتے، جتنے صرف ایک زبان سے سرزد اور صادر ہوتے ہیں، جیسے: غیبت، جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا، جھوٹا وعدہ کرنا، لعنت کرنا، تہمت لگانا، استہزاء وتحقیر، فحش گوئی، سب وشتم، افشائے راز، کثرتِ کلام،

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ ہذا

خصومت اور جدل وجدال وغیرہ، یہ اور اس کے علاوہ بے شمار "سیئات ومعاصی" ہیں؛ سب کا صدور زبان سے ہوتا ہے، گویا زبان کا تحفظ بے شمار گناہوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے، اور اس کا بے قابو اور بے لگام ہونا گناہوں کی پُرخطر وادی میں ہلاک وتباہ ہونا ہے۔

زبان کی ہلاکت خیزی اور فتنہ انگیزی کا اندازہ حضرت ابوبکرؓ کے اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت اسلم کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی زبان کو کھینچ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا: امیر المومنین ٹھہریئے، ایسا نہ کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اس زبان نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں ڈالا ہے، لہٰذا یہ اسی کی مستحق ومستوجب ہے، إِنَّ هَذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ (مشکوٰۃ المصابیح)

اسی لیے حدیثِ مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات وفلاح کا سب سے پہلا زینہ اور درجہ زبان کی حفاظت کو قرار دیا، فرمایا: اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھو، ضرورت پر بقدرِ ضرورت مناسب اسلوب اور بہتر انداز میں بولو، باقی خاموشی میں نجات ہے۔

۲۔زیادہ اوقات گھر میں بسر کرنا:۔ انسان کی زندگی کی بنیادی ضروریات میں اُس کا اپنا مکان اور گھر بھی ہے، جس میں وہ اپنے مال واسباب اور اہلِ وعیال کے ساتھ محفوظ و مامون رہتا ہے؛ لیکن اُس کو زندگی کی اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلنا بھی پڑتا ہے، کبھی بازار جانا پڑتا ہے، جس کو حدیث میں "ابغض البلاد" (یعنی سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ) کہا گیا ہے، کبھی کسی ضرورت کی تکمیل اور لوگوں سے ملاقات وزیارت کے لئے مختلف راستوں اور گذرگاہوں سے گذرنا پڑتا ہے، جہاں قدم قدم پر دین وایمان اور اعمال و اخلاق پر فتنوں اور گمراہیوں کی یلغار ہے، کبھی لوگوں سے ملاقات وزیارت کے لئے جانا پڑتا ہے، مختلف احوال کے لحاظ سے قلبِ انسانی متاثر ہوتا ہے، الغرض گھر کے باہر خطرات ونقصانات کا نہ صرف اندیشہ بلکہ یقین ہے، اس لئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات وفلاح کے لئے دوسرا زینہ اور درجہ اس کو قرار دیا کہ تمہارا گھر تمہارے لئے کافی ہونا چاہئے، یعنی اپنے اوقات کا گذر بسر زیادہ گھر میں کرو، تاکہ باہر کے دین لیوا حملوں اور اخلاق کش فتنوں سے محفوظ رہا جا سکے۔

۳۔ اپنے گناہوں پر رویا کرو! انسان خطاؤں اور لغزشوں کا پتلہ ہے، سرتا پا رب تعالیٰ کی نافرمانیوں میں ملوث ہے، جو حق تعالیٰ شانہٗ کے انعامات واحسانات کی بڑی ناقدری اور ناشکری ہے، اس لیے عبدیت وبندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ہمہ وقت خداوند تعالیٰ کے حضور نادم وپشیماں رہے۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

پیش گفتار

تزکیے کی ضرورت

از: حضرت مولانا سلمان منصور پوری صاحب مدظلہٗ

دل کو ہر طرح کی اخلاق بیماریوں اور روحانی امراض سے پاک رکھنے کے لیے تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قلب کو اتنا صاف ستھرا کر دیا جائے کہ وہ اخلاق سیئہ سے خود بخود نفرت کرنے لگے اور اخلاق فاضلہ کا شوقین بن جائے۔ جب آدمی کا قلب مزکیٰ اور مجلّٰی ہوتا ہے تو اس کے لیے رضائے خداوندی کا راستہ سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر قران کریم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داریاں بتاتے ہوئے بطور خاص ویز کیھم (اور وہ ان کی صفائی کرتا ہے) کو ذکر کیا گیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں حضرات صحابہ پر پوری توجہ رکھی تا آنکہ آپ کی صحبت اور شاندار تربیت کی بدولت وہ صحابہؓ امت کے تمام بعد میں آنے والے اولیاء و مشائخ اور علماء سے افضل قرار پائے اور ان کو زبان نبوت سے نجوم ہدایت کا لقب عطا ہوا تزکیہ کے بعد ان کی صفات عالیہ کیا تھیں ان کا ذکر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں: جسے پیروی کرنی ہے وہ مرحومین کی پیروی کرے اس لیے کہ زندہ لوگ فتنوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ ہیں جو اس امت میں سب سے افضل تھے جن کے دل سب سے زیادہ نیک تھے جو علم کے اعتبار سے سب سے گہرے اور تکلفات میں کمتر تھے، اللہ تعالیٰ نے جن کو اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے منتخب فرما لیا تھا، لہٰذا ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور سیرت پر مضبوطی سے قائم رہو کیوں کہ وہ سیدھے راستے پر گامزن تھے۔ (مشکوٰۃ:۱/ ۳۲)

الغرض دل کو قساوت سے محفوظ کر کے صاف ستھرا کرنا اور نیکیوں کا عادی بنانا ہر مومن کی ذمہ داری ہے اس کے لیے محنت اور ہمت بلند کرنی چاہیے جو شخص جتنا زیادہ تزکیہ میں آگے بڑھے گا اتنا ہی قربِ خداوندی میں آگے بڑھتا چلا جائے گا اور رحمت خداوندی سے مالا مال ہو جائے گا۔

دل کی بیماریوں کا علاج:

اب سوال یہ ہے کہ دل کا تزکیہ کیسے کیا جائے اور اس کو روحانی رذائل سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائے اس سلسلے میں رہنمائی فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر چیز کو صاف کرنے اور مانجھنے کا آلہ ہوتا ہے اور دل کی صفائی کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور ذکر اللہ سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔(بیہقی شعب الایمان:۱/۳۹۶)

ایک دوسری روایت میں ارشاد ہے: اللہ کا ذکر دلوں کے امراض کے لیے شفا ہے۔(کنز العمال:۱/۲۱۲)

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ دلوں کو پاکیزہ کرنے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک ہے یعنی۔(شعب الایمان:۱/۳۹۶) جتنا زیادہ ذکر خداوندی میں اپنے کو لگائیں گے اتنا ہی دل صاف ہوگا۔خیر کی توفیق عطا کی جائے گی اور دل کے امراض دور ہوں گے،جس کی بنا پر دل کو سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوگی۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں سن لو اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے''۔(الرعد:۲۸) ظاہر ہے کہ آدمی مطمئن اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ اسے ائندہ کی زندگی میں کوئی خطرہ درپیش نہ ہو اور جو شخص گناہ کرنے والا ہے وہ مطمئن ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اسے آئندہ اپنی بدعملیوں کی سزا کا خطرہ ہمیشہ دامن گیر رہے گا اور جو اس کی زندگی کو مکدر کرتا رہے گا اس سے معلوم ہو گیا کہ دنیا وآخرت میں وہی لوگ اطمینان اور عافیت میں رہ سکتے ہیں جو ذکر خداوندی میں اپنے کو مشغول رکھیں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔

استغفار کی کثرت سے دل کی صفائی:

مطلق ذکر خداوندی کے ساتھ بالخصوص استغفار کو بھی احادیث طیبہ میں دل کی صفائی اور پاکیزگی کا سبب بتایا گیا ہے ایک روایت میں ارشاد نبوی ہے: ''دلوں میں بھی تانبے کی طرح زنگ لگتا ہے جس کی صفائی کا ذریعہ استغفار ہے''۔(کتاب الدعاء للطبرانی:۵۰۶) ایک دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''میرے دل پر غبار سا آجاتا ہے چنانچہ میں ہر دن سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔(کتاب الدعاء مسلم:۲/۳۴۶)، دیگر احادیث میں بھی کثرت سے استغفار کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے،اس کے ذریعے دل کی صفائی کی اصل وجہ یہ ہے کہ گناہوں پر ندامت کے ساتھ ساتھ جب آدمی استغفار کرے گا تو ندامت اور شرمندگی کی بنا پر خود بخود دل میں نرمی پیدا ہوجائے گی اور رب العزت کی بڑائی اور اپنی عاجزی کا احساس جاگزیں ہوگا اور یہ احساس دل کے تزکیے کی سب سے زیادہ مؤثر تدبیر ہے۔

صالحین کی صحبت:

دل کی صفائی کے لیے اللہ والوں کی صحبت بھی بے مثال تاثیر رکھتی ہے قرآن کریم میں ''وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ'' (اور جھکو جھکنے والوں کے ساتھ) اور كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (اور ہو سچوں کے ساتھ) جیسی ہدایات دے کر اس جانب رہنمائی فرمائی ہے کہ اعمال صالحہ کا شوق اور بری عادتوں سے بے رغبتی کا ملکہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی صحبت میں وقت لگانا اور ان کے دامن فیض سے وابستہ ہونا بھی انتہائی موثر اور مفید ذریعہ ہے۔ رمضان المبارک میں اعتکاف کی عبادت بھی اسی مقصد سے شروع کی گئی ہے کہ آدمی کو ایسا ماحول ملے جہاں رہ کر وہ یکسوئی کے ساتھ عبادت اطاعت میں وقت لگا سکے اور گناہوں کے مواقع سے محفوظ رہے۔

شیخ کامل سے وابستگی:

تجربہ بھی یہ بتاتا ہے کہ دلوں کا تزکیہ محض کتابیں پڑھ لینے اور معلومات کے ذخائر جمع کر لینے سے ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ اس مقصد کی تحصیل کے لیے اصحاب معرفت اولیاء اللہ سے وابستگی اور ان کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح آدمی جسمانی امراض کے علاج کے لیے بہترین اور قابل ڈاکٹر کو تلاش کر کے اپنے کو اس کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کر کے اور پرہیز کا اہتمام کر کے شفا حاصل کرتا ہے، اسی طرح اپنی روحانی امراض کے علاج کے لیے بھی ماہر روحانی طبیب تلاش کرنا چاہیے۔ دل کے چھپے ہوئے امراض کا آدمی خواہ کتنا ہی بڑا ہو خود اپنا علاج نہیں کر سکتا۔ نفس کے مکائد اتنے خطرناک ہیں اور شیطان کے فریب اتنے گہرے اور باریک ہیں کہ ان کا ادراک خود آدمی کو نہیں ہوسکتا بلکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جس چیز کو آدمی عین عبادت سمجھ رہا ہے وہی اس کے لیے ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ اور زہرناک ہوتی ہے۔ اس طرح کے امراض کی تشخیص شیخ کامل ہی کر سکتا ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

اب یہ کیسے پتہ چلے کہ کون شیخ کامل اور کون ناقص تو اس سلسلے میں مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے درج ذیل علامتیں بتائی ہیں جن کو دیکھ کر شیخ کامل کو پہچانا جا سکتا ہے:

(۱) وہ بہ قدر ضرورت دین کا علم رکھتا ہو۔ (۲) عقائد میں، اعمال میں، اور اخلاق میں شریعت کا پابند ہو۔ (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ (۴) کمالات کا دعوے دار نہ ہو۔ (۵) وہ خود کسی شیخِ کامل کی صحبت و تربیت پایا ہوا ہو۔ (۶) اس کے جاننے والے منصف علماء و مشائخ اُسے اچھا سمجھتے ہوں۔ (۷) عوام کے مقابلے میں

خواص یعنی سنجیدہ اور دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔(۸) اس کے مریدین میں اتباعِ شریعت وسنت کا اہتمام ہو اور دنیاداری کی ہوس سے دور ہوں۔(۹) وہ اپنے مُریدین کو شریعت وسنت کا پابند بناتا ہو اور خلاف ورزی کرنے والوں کی تنبیہ وتلقین بھی کرتا رہتا ہو، محض مرید بنا کر ان کے حال پر چھوڑ نہ دیتا ہو۔ (۱۰) اس کی صحبت میں کچھ وقت گذارنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ سے محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔(۱۱) وہ خود بھی پابندیٔ شریعت کے علاوہ ذکر وشغل اور معمولات کا پابند ہو۔

پس جس شیخ میں مذکورہ بالا صفات پائی جاتی ہوں جو تھوڑی صحبت یا چند بار کی ملاقات میں بہ آسانی سمجھ میں آسکتے ہیں تو اِن صفات کے بعد اب اس میں کسی کرامت وکشف اور تصرُّف وتوجُّہ وغیرہ کو تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ان اُمور کا بزرگی اور ولایت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ نفسیاتی چیزیں ہیں جو بسا اوقات مسلمان تو کیا غیر مسلم میں بھی مشق ومجاہدے سے پیدا ہوسکتی ہیں۔(تسہیل قصد السبیل: ۱۰،۱۱)

کوئی دور بفضل خداوندی مذکورہ علامات سے متصف اولیاء اللہ اصحاب معرفت سے خالی نہیں رہا ہے الحمدللہ آج بھی ایسے اکابر موجود ہیں جن سے وابستہ ہوکر ہزاروں ہزار افراد دلوں کے تزکیہ پر محنتیں کر رہے ہیں۔

تصوف کی محنتوں کا منتہائے مقصود

ان اولیاء اللہ کے ذریعے مخصوص اعمال وظائف کی جو مشق کرائی جاتی ہے اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ سالکین وطالبین میں صفت احسانی کا ظہور ہوجائے یعنی دلوں سے غفلت کا پردہ اٹھے اور وہ ایمانی نور اُبھر کر آئے جس کی روشنی سے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ذات خداوندی کا استحضار جسے ملکۂ یادداشت کہا جاتا ہے میسر آجائے اور ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (مسلم: ۱/ ۲۷) یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم یہ تصور کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے کا مقام حاصل ہو جائے تصوف وسلوک کی ساری محنتوں کا خلاصہ اور مقصود یہی ہے بقیہ جو ذکر کے طریقے ہیں یا خاص اعداد کے ساتھ اذکار کی تعلیمات ہیں وہ طریقے ان خاص صورتوں کے ساتھ مقصود بذات نہیں ہے اور نہ ان کو شرعی اعتبار سے وجوب یا فرضیت کا درجہ حاصل ہے بلکہ حقیقت میں خاص طریقے امراض روحانیہ کے علاج اور ان کو دور کرنے کی تدبیریں ہیں جنہیں شیخ کامل سالک کے حالات اور ضروریات کا جائزہ لے کر تجویز کرتا ہے۔ اب اگر کوئی انہی تدابیر کو اصل سمجھ بیٹھے اور منتہائے مقصود یعنی صفت احسانی کے حصول سے صرف نظر کرلے تو وہ یقیناً غلطی پر ہے اور تصوف سلوک کی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہے۔

عارف باللہ حضرت رائے پوریؒ کا ارشاد

اسی کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے دور کے صاحب معرفت رائے سلوک کے رمز آشنا بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کا اور اس کی رضا کا دھیان وفکر کرنا اور اس کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کا علم ہی نہیں ہوتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دین کی تعلیم وتربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی اپ کی صحبت سے حاصل ہو جاتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان صحبت سے صحابہ کرامؓ کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی لیکن بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے کاملین کی صحبت بھی کافی نہیں رہی تو دین کے اس شعبے کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لیے صحبت کے ساتھ "ذکر وفکر کی کثرت" کا اضافہ کیا اور تجربے سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔ اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت یعنی نرمی پیدا کرنے کے لیے ان کے واسطے خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے، اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے اور طبیعت میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ضرب کا طریقہ نکالا گیا تو ان میں سے کسی چیز کو مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لیے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانے کے حالات اور اپنے اپنے تجربے کے مطابق ان چیزوں میں ردوبدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لیے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال تجویز کر دیتا ہے، بعض ایسے اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کا ذکر وشغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ان کو یوں ہی نصیب فرما دیتا ہے اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورتاً کرایا جاتا ہے۔

(بیس بڑے مسلمان: ۹۹۸ مضمون مولانا منظور احمد نعمانی)

اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ تصوف اور راہ سلوک کی محنتیں دین سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ شریعت کی روح کو انسان کے رگ وپے میں بسانے کا نام ہی دراصل تصوف ہے اور یہی وہ تصوف ہے جس کے اکابر اولیاء اللہ امام رہے ہیں اور اس راہ سے ان کے ہاتھوں پر ہزاروں ہزار تشنگان معرفت نے مئے عرفانِ محبت

سے سیرابی حاصل کی ہے۔

تصوف کی راہ سے دینی خدمات میں جلا پیدا ہوتی ہے

تصوف دینی خدمات ومصروفیات میں حائل نہیں ہوتا بلکہ ان خدمتوں کی جان اور روح کی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ وہی شخص خلقِ خدا کو ہی افادۂ ظاہری (تعلیم وتدریس) اور افادۂ باطنی (سلوک و تربیت) کا حقدار ہے جو نسبت باطنی سے آراستہ وپیراستہ ہو، یہ دین ایسے ہی اصحاب نسبت خدام کے ذریعے دنیا میں پھیلا ہے محض علم سے فیض نہیں پہنچتا، جب تک کہ اس کے ساتھ نسبت کی چاشنی نہ ہو نسبت باطنی کی وضاحت کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''اور علامت حصول نسبت باطنی کے دو امر ہیں: ایک یہ کہ ذکر اور یادداشت کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہو اور اس میں زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباع احکام شریعہ کی عبادت وہ معاملہ اس کو ایسی رغبت اور منہیات ومخالفات سے ایسی نفرت ہو جائے جیسے مرغوبات مکروہات طبعیت کی ہوتی ہے۔اور حرص دنیا کے قلب سے نکل جائے کان خلقه القرآن اس کی شان بن جائے البتہ کسل عارضی یا وسوسہ جس کے مقتضیٰ پر عمل نہ ہو اور اس رغبت ونفرت کے منافی نہیں'' الخ۔

(قصد السبیل در اصلاحی نصاب: ۵۳۲)

ظاہر ہے کہ ایسے صاحب نسبت کی خدمت سے اور افادۂ عوام وخواص سے جو نفع خلق خدا کو پہنچ سکتا ہے وہ غیر نسبت والے شخص سے ہرگز نہیں پہنچ سکتا اس لیے بالخصوص مدارس کے فضلاء کو چاہیے کہ وہ علوم ظاہری کی تکمیل کے ساتھ نسبت کے حصول کے لیے کسی شیخ کامل کی صحبت ومتابعت سے فیض اُٹھائیں تاکہ جب وہ خدمت کے میدان میں قدم رکھیں تو ان کے ذریعے سے ہدایت کی کرنیں چاردانگ عالم میں پھوٹنے لگیں اور ان کا صاف ستھرا کردار اور شاندار عمل ان کے علم نافع کا مظہر بن جائے۔

نقالوں سے ہوشیار

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ چلتا ہوا کام دیکھ کر بہت سے دنیادار اور عزت وشہرت کے حریص لوگ پیرو مرشد کا لبادہ اوڑھ کر تصوف کے نام پر شرک وبدعت کی دکان چلانے میں لگے ہوئے ہیں اور انہوں نے تصوف کے شریعت سے الگ ہونے کا ڈھونگ رچا کر ضلالت اور گمراہی کا جال بچھا رکھا ہے۔اس طرح کی دکان مزارات پر سجادہ نشینوں کے ذریعے خوب چل رہی ہیں اور پھل پھول رہی ہیں تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو تصوف شریعت کے خلاف کوئی حکم دیتا ہو وہ تصوف نہیں ہے شیطانیت ہے۔ اس لیے ایسے جعلی پیروں کی

جعل سازیوں سے جہاں اپنے کو بچانا ضروری ہے وہیں جعل سازوں کو دیکھ کر اصلی اور سچے اہل تصوف سے دل میں بدگمانیاں نہ قائم کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ بعض افراد کی غلط کاری کی بنا پر پورے کام کو غلط قرار دینا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

بہر حال گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ دلوں کے تزکئے کے لیے معتبر اولیاء اللہ کے دامن سے وابستگی اختیار کرنی چاہیے تاکہ ہمارے لیے اطاعت وعبادت کی راہ آسان ہو، ہمیں اللہ کی رضا میسر آئے اور ہم صحیح معنوں میں اپنے خدا سے شرم وحیا کرنے والے بن جائیں۔

وما ذلك على الله بعزيز

(ماخوذ از: اللہ سے شرم کیجئے، باب سوم ص: ۲۰۴)

(بقیہ صفحہ ۸ سے)

اعترافِ ذنوب وخطایا کے ساتھ مغفرت وبخشش کا طالب رہے، اسی جذبہ اور فکر سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اسی لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات وفلاح کا تیسرا زینہ اور درجہ اس کو قرار دیا ہے کہ اپنے گناہوں کی مغفرت اور بخشش کے لیے رویا کرو، یعنی مغفرت ورضوان کی دعا کرتے رہو؛ تاکہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو کہ یہی چیز نجات وفلاح کی دراصل ضامن ہے۔

حق تعالیٰ ہمیں اس نبوی نسخہ کو تاحیات استعمال کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گوشہ سیرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحنِ کعبہ میں اذیت رسانی

از: مرتب

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحنِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور کل ہی اونٹ ذبح کیا گیا تھا، ابو جہل نے کہا: کون اونٹ کی اوجھڑی اٹھا کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ڈال دے گا جب وہ سجدے میں ہوں، قوم کا بدبخت آدمی (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا، اور اونٹ کی اوجھڑی لایا اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں تھے آپ کے مونڈھوں پر ڈال دیا، ابو جہل اور اس کے ساتھی خوب مزاق اُڑا رہے تھے اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔۔۔۔ میں یہ سب منظر دیکھ رہا تھا اگر مجھ میں اس وقت طاقت ہوتی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت سے اُسے نکال پھینکتا۔۔۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ سے سر مبارک نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ کسی شخص نے حضرت فاطمہؓ کو خبر کر دی وہ چلی آئیں، اس وقت وہ کم سن تھیں انہوں نے اس اوجھڑی کو ہٹایا پھر ان لوگوں کو ملامت کرنے لگیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو اُن کے حق میں بددعا فرمائی (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا فرماتے تو کلماتِ دعا تین تین دفعہ دہرایا کرتے تھے، جب اللہ سے کچھ مانگنا ہوتا تو تین تین دفعہ مانگنا کرتے تھے) پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا میں یہ کہا: اے اللہ! آپ کو قریش کو دیکھ لیجیے، آپ کو قریش کو دیکھ لیجیے، آپ کو قریش کو دیکھ لیجیے، جب ان لوگوں نے آپ کی آواز سنی تو ان کی ہنسی اڑ گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے وہ خوف زدہ ہو گئے، (کیوں کہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں قبول ہوتی ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو آپ دیکھ لیجئے۔ ساتویں شخص کا نام مجھے یاد نہیں ہے۔ (بخاری کی روایت میں ساتویں کا نام عمارہ ابن الولید ذکر کیا گیا ہے) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق دے کر بھیجا جن لوگوں کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام لیے ہیں میں نے ان (میں سے اکثر) کو دیکھا کہ جنگ بدر میں مارے گئے، اُنھیں گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔

(مسلم: 1794 / دلائل النبوۃ: ۲/ ۲۰۲)

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت امیمہ (المعروفہ بامِ ابوہریرہ) رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب: امیمہ نام تھا، عموماً اپنی کنیت ام ابی ہریرہ سے معروف ومشہور تھیں، والد کے نام کے حوالہ سے روایات مختلف ہیں، ''صبیح'' یا ''صفیح'' بن الحارث تھا، جلیل المرتبت صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ تھیں۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: امیمۃ بنت صبیح: ۳۲/۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

نکاح: ان کا نکاح ''عامر بن عبد ذی الشری دوسی'' سے ہوا، جن کی وفات ان کے عنفوان شباب میں ہی ہوگئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت صغیر السن تھے، ماں نے اپنے فرزند ارجمند کو نہایت حالات، تنگیوں اور مشقت کے ساتھ پالا۔

قبول اسلام: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی کی دعوت پر ہجرت سے چند سال قبل اسلام قبول کرلیا تھا، البتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غزوہ خیبر کے موقع اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات اور خدمت نبوی میں حاضری کا موقع میسر آیا تھا، والدہ بھی ساتھیں، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مدینہ تشریف آوری کے بعد بھی وہ مشرف باسلام نہ ہوسکیں، کفر وشرک کی تاریکیوں میں بھٹکتی رہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والدہ کے نہایت مطیع اور فرماں بردار تھے، البتہ والدہ کا کفر وشرک میں ابتلاء ان کے لئے نہایت تکلیف دہ مرحلہ تھا، وہ والدہ کے کفر وشرک پر نہایت نالاں اور پریشان تھے، ان کی تمنا یہ تھی کہ والدہ بھی اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوتیں، لیکن والدہ کو اسلام سے نہایت چڑھ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ گئیں، جس کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہایت صدمہ اور تکلیف ہوئی، خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور بارگاہ رسالت میں گویا ہوئے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری والدہ کے لئے دعا فرمایئے کہ حظیرہ اسلام میں داخل ہوجائیں اور دعوت حق کو قبول کرلیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دست بہ دعا ہوئے: اے اللہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کو دولت اسلام سے مشرف فرما'' (دعاء

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوغات کو لئے نہایت خوش وخرم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گھر واپس ہوئے، گھر کے دروازے بند تھے، ماں کے غسل کرنے کی آواز آرہی تھی، غسل سے فراغت کے بعد والدہ نے دروازہ کھولا اور عرض گذار ہوئیں: میرے پیارے بیٹے! میں نے اللہ اور اس کے رسول پر صدق دل سے ایمان لایا ہے۔

یہ نہایت مسرت آگیں خبر سن کر حضرت ابو ہریرہؓ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ خدمت نبوی میں عرض گذار ہوئے، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی دعا کے نتیجے میں والدہ نے دعوتِ حق واسلام کو قبول کرلیا ہے، وہ مشرف بہ اسلام ہوچکیں ہیں، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس خبر سے نہایت مسرور ہوئے۔''ابشر یا رسول اللہ، فقد أجابک اللہ دعوتک، قدھدی اللہ أم أبی ھریرۃ إلی الإسلام''، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں گویا ہوئے، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ عزوجل سے دعا کیجئے کہ مجھے اور میری والدہ کو ہر مومن مرد وعورت کے دل میں محبوب بنائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اللھم حبب عبیدک ھذا وامہ إلی کل مؤمن ومؤمنۃ'' اے اللہ! تیرے اس بندہ اور اس کی ماں کو ہر مومن مرد وعورت کا محبوب بنادیجئے۔(الطبقات الکبری لابن سعد، ابو ہریرۃ، ۴/ ۲۴۴، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابو ہریرہؓ کا والدہ کے ساتھ تعلق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والدہ کے نہایت مطیع اور فرماں بردار واقع ہوئے تھے، والدہ بھی اپنے عظیم اور لائق فرزند کی نہایت قدرداں تھیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے آتا ہے کہ جب بھی گھر میں داخل ہوتے تو والدہ کو یوں سلام کیا کرتے''السلام علیکم یا امتاہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' والدہ جواب میں کہتیں''وعلیک یا بنی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گویا ہوتے''اللہ آپ پر اسی طرح اپنی رحمتیں نازل کرے، جیسا کہ آپ نے میری بچپن میں پرورش وپرداخت اور نشوونما کی، جواب میں والدہ کہتیں:''اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تم پر بھی ایسے ہی رحمت نازل فرمائے جس طرح تم نے جوان ہوکر مجھ سے بہترین سلوک اور برتاؤ کیا۔''فیقول رحمک اللہ کما ربیتنی صغیرا، فتقول: رحمک اللہ کما بررتنی کبیرا''(الأدب المفرد، باب جزاء الوالدین، ۱/ ۹، حدیث: ۱۲، مکتبۃ المعارف الریاض)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے والدہ محترمہ سے اس درجہ تعلقِ خاطر اور لگاؤ تھا کہ حین حیات والدہ کو چھوڑ کر فریضہ حج کے ادا کرنے کے لئے بھی نہیں گئے۔

وفات: سن وفات معلوم نہیں۔

ناامیدی کے صحراء میں اُمید کا دیا

از: حضرت مولانا صلاح الدین سیفی نقشبندی زید مجدہٗ

عرش والے میری توقیر سلامت رکھنا
فرش کے سارے خداؤں سے اُلجھ بیٹھا ہوں

عمر مختار رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے کہا:

زور اک اِٹلی کے پاس جو جہاز ہیں، وہ ہمارے پاس نہیں ہیں۔

عمر مختار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ان جہازوں کی پرواز عرش سے اوپر ہے یا نیچے؟......اس شخص نے کہا کہ عرش کے نیچے......عمر مختارؒ نے کہا کہ جو عرش کے اوپر ہے وہ ہمارے ساتھ ہے......اور جو عرش کے نیچے ہے اس سے ہم ڈرتے نہیں۔

ارضِ مقدس فلسطین کے شہر غزہ کے رہنے والے شاہینوں نے ایمان تازہ کر دیا......اس دَور میں جب کہ ''وہن'' (بزدلی) طبیعت بن گئی ہے......جدید ٹکنالوجی کے زمانے میں عقل کچھ کرنے سے پہلے شکست کھا جاتی ہے......اور جدید ترقی کے دَور میں ہر انسان کو یہ سمجھایا گیا ہے اب طاقت کا خدا کوئی اور ہے...... یہود ناعاقبت محمود، اور نصاریٰ اہلِ خسارہ نے چند چیزیں انسانوں کو ہلاک کرنے والی ایجاد کر کے سمجھ لیا ہے......ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں، اور مسلمان کچھ بھی نہیں کر سکتے ......لیکن ''غزہ'' کے نہتّے شاہینوں نے دنیائے کفر کو ہزار بار سوچنے پر مجبور کر دیا ہے ...... کہ تمہاری ایجادات کی حقیقت کیا ہے......اور فیل کرنے والے ان کو کیسے فیل کر سکتے ہیں؟۔

ایک عرب نے موجودہ حالات پر زیرِ نظر تجزیہ کیا ہے۔

رواں جنگ میں ''حماس'' نے کیا کھویا کیا پایا؟

۱) ہر ملک اسرائیل سے تعلقات پہ نظرِ ثانی پر مجبور ہو گیا۔

* مدیر ماہنامہ ''دوائے دل''، ترکیسر گجرات

۲) اسرائیل جنگی طاقت میں چوتھے نمبر پر تھا؛ اب اس کا وہ مقام جا تا رہا۔

۳) اخبارات سے پتہ چلا کہ کم وبیش (۳۰۰) تین سوفوجیوں کو یرغمال بنالیا جس میں کچھ تو میجر اور جنرل بھی ہیں جب کہ ۱۵۰ر کے قریب شہریوں کو بھی قید کیا جو حکومت میں اونچے عہدوں پہ ہیں۔

۴) چار فوجی چھاؤنیوں سے ایسے اسلحے کا ذخیرہ سمیٹا؛ جو کندھے پر اٹھائے جا سکتے ہیں۔

۵) تقریباً پچاس (۵۰) سے زیادہ ٹینکوں کو بھسم کیا۔

۶) ''موساد'' کے مختلف ٹھکانوں کو تباہ کر کے ان کے لیپ ٹاپ (Laptop) پر قبضہ کیا؛ جن میں ''غزہ'' یا مڈل ایسٹ (Middle East) میں اسرائیلی جاسوسوں کے پتے درج ہیں۔

۷) فوجیوں اور پولیس کے چھوٹے راڈاروں اور درجنوں وائرلیس (wireless) پر قبضہ جمالیا؛ جو ''غزہ'' سے چالیس کلومیٹر کے دائرے میں اِیکٹیو (active) تھے۔

۸) تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) راکٹ داغے جن سے دشمن کا بھاری جانی اور مالی نقصان ہوا؛ عسقلان اور اس کے قرب و جوار سے پانچ (۵) لاکھ اسرائیلیوں کو گھر بار چھوڑ کے رفیوجی (Refugee) بننے پہ مجبور کر دیا۔

۹) تقریباً ڈھائی ہزار (۲۵۰۰) اسرائیلیوں کو جہنم واصل کیا۔

۱۰) دنیا کے سات بڑے ملکوں کی انٹلی جینس (intelligence) کو فیل کر کے اپنے ہدف کو انجام دیا؛ جس سے ان کی ناک کٹ گئی۔

۱۱) فلسطین کے مسئلے کو عالمی سطح پہ مکمل زندہ کر دیا۔

۱۲) اسرائیل کے سفیروں کو کچھ ملکوں سے بھگا دیا گیا۔

۱۳) مغربی ممالک کے عام شہریوں کی نگاہ میں ان کی حکومتوں کو ذلیل کر دیا۔

۱۴) عرب ممالک میں چھپے ہوئے منافق بادشاہوں اور ان کے چمچوں کے چہرے سے نقاب نوچ لیا۔

۱۵) اس حملے کے بعد اسرائیل کی اکنامک (economic) گرتی جا رہی ہے۔

۱۶) اسرائیلی وزیر اعظم کو اس کی عوام کی نظروں میں دوکوڑی کا بنا دیا۔

۱۷) تمام عالم اسلام کے جوانوں میں شہادت سے محبت پیدا کر دی اور قبلۂ اول پر مر مٹنے کا جذبہ بیدار کر دیا۔

۱۸) جتنی مسلم حکومتیں امریکہ کے پیشاب کی دھار دیکھ کے اپنا قبلہ طے کرتی ہیں انہیں بے نقاب کر دیا۔

۱۹) "قذافی"، "مُرسی"، "صدام" وغیرہ کو کس لئے قتل کروایا گیا تھا؛ اس پر پھر سے بحث چھڑ گئی اور لوگ صاف صاف کہنے لگے کہ ان کے قتل سے عالم اسلام کا کیا نقصان ہوا۔

۲۰) سلفی علماء میں یزیدیوں کی تعداد مکمل واضح ہوگئی۔

۲۱) یہودیوں کے خلاف مسیحیوں اور دیگر لوگوں کے دلوں میں نفرت کا بیج بودیا۔

۲۲) فلسطینی زمینوں پر قبضہ کر کے جتنے گاؤں بسائے گئے ہیں؛ اب ایک بھی اسرائیلی رات کو چین سے نہیں سوسکتا کہ نہ جانے کب یہ لوگ کس سوراخ سے نکل کے ہمیں ختم کردیں؛ یہ خوف رواں حملے سے پیدا ہوا۔

۲۳) چند عمر دراز بندھکوں کو رہا کر کے دنیا کو بتادیا کہ وہ وہ نہیں؛ جو مغربی میڈیا انہیں بتا رہا ہے۔

۲۴) دنیا کے مختلف دیشوں میں سڑکوں پر مظاہرین نکل آئے جو یہودیوں اور ان کے حواریوں سے نفرت کرتے ہیں۔

۲۵) دنیا کے مختلف ملکوں کی پارلیمینٹ تک میں ان کی آواز میں آواز ملائی جانے لگی۔

۲۶) ''اسرائیل کو ڈیفینس کا حق ہے'' کی آڑ میں امریکہ بہادر جو ظلم کرواتا رہا؛ روس جیسے ملک نے ایک ایک پوائنٹ واضح کر کے بتایا کہ اسرائیل غاصب ہے،؛ اسرائیل کو نہیں، بلکہ فلسطینیوں کو سیلف ڈیفینس کا حق ملنا چاہیئے۔

۲۷) ''روس''''حزبُ اللہ'' کو تیس (۳۰) کلومیٹر تک مار کرنے والا میزائل بیچنے جا رہا ہے۔

۲۸) ''چین'' کا بھی موقف اسرائیل کے خلاف واضح ہو چکا ہے۔

۲۹) شبِ معراج حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس مقام پہ انبیاء کی امامت کی؛ اس مقام کی کس کے دل میں کتنی اہمیت ہے، تڑپ ہے، محبت ہے، سب پر آشکارا کردیا۔

۳۰) دجالی فوج کی ہلاکتوں کی تعداد اس کے اعتراف کے مطابق 500 سے تجاوز کرگئی ہے۔

۳۱) زمینی آپریشن کے آغاز کے بعد سے 182 فوجی ہلاک ہوئے۔ مجموعی طور پر 501 مارے جا چکے ہیں۔ صہیونی فوج کی پوری تاریخ میں اس کے اتنے کمانڈر اور اعلیٰ افسران نہیں مرے، جتنے اس جنگ میں جہنم پہنچ چکے ہیں۔ دجال کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق: ● 56 پلاٹون لیڈر ہلاک، ● 43 کمپنی کمانڈر ہلاک، ● 8 بٹالین کمانڈر ہلاک، ● 5 بریگیڈ کمانڈر ہلاک، ● 2159 زخمی ہیں اور جو کچھ وہ چھپا رہا ہے، وہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

1113 ٹینک وگاڑیاں تباہ

غزہ میں جانبازوں کی 7 تنظیمیں دجال سے برسرپیکار ہیں۔سب سے بڑی تو کتائب القسام اور سرایا القدس ہیں۔باقی بھی اس مقدس مشن میں حصہ بقدر جثہ ملا رہی ہیں۔تمام مجاہدین کے ہاتھوں دشمن کو پہنچنے والے مالی نقصان کے اعداد وشمار سامنے آئے تھے۔اس میں 3 دن پہلے تک کی کارروائیوں کی تفصیلات جمع کی گئی ہیں۔یہ بھی یادرہے کہ اس دستاویز میں زمینی آپریشن شروع ہونے کے بعد (28 نومبر) نشانہ بنانے جانے والے ٹینکوں اور دیگر گاڑیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔جانی نقصان کا نہیں۔

- القسام بریگیڈز: 825 ● القدس بریگیڈز: 231
- شہداء الاقصیٰ بریگیڈز:30 ● المجاھدین بریگیڈز:14
- شہید عمر القاسم بریگیڈ:6 ● الناصر صلاح الدین بریگیڈز: 4
- شہید ابو علی مصطفیٰ بریگیڈز:3۔ کل:1113 ٹینک اور فوجی گاڑیاں۔
- نوٹ 1: یہ وہ گاڑیاں ہیں، جن کی تباہی کی تصدیق کی گئی اور نشانہ بنائے جانے کے مقام سمیت تمام تفصیلات دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔اس کے علاوہ بھی کئی ایسے وہیکلز کو نشانہ بنایا گیا، لیکن بمباری یا فضائی مداخلت کی وجہ سے جانبازوں کو دستاویزی ثبوت حاصل کئے بنا پناہ گاہوں کی طرف لوٹنا پڑا۔
- نوٹ 2: 7 اکتوبر کو بھی درجنوں ٹینک اور گاڑیاں تباہ کی گئی تھیں، جن کے ویڈیو ثبوت موجود ہیں، وہ مذکورہ تفصیل میں شامل نہیں۔کبروا و هللوا أبشروا و بشروا

یہ وہ بڑے بڑے فائدے نظر آرہے ہیں؛ جن کا میں نے احاطہ کیا ہے؛ جبکہ چھوٹے موٹے فائدوں کا ذکر کیا کرنا۔

اس لئے فلسطینیوں کی حمایت کیجئے۔ان کے لئے صدقہ نکالئے، دعائیں کیجئے،اگر ممکن ہو مالی امداد پہنچائیے۔اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ اہلِ فلسطین اور اہلِ غزہ کی غیبی مدد فرمائیں۔(آمین)

(بہ حسنِ تعاون: ماہنامہ دوائے دل، گجرات، ڈسمبر ۲۰۲۳ء جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

اصلاحی مضامین

دینی مکاتب قائم کیجئے

از: مفتی امانت علی قاسمی*

ہمارا ملک جن مسائل سے جھوج رہا ہے اور جس طرح مسلمانوں کے لیے چیلینجوں کے انبار کھڑے ہو گئے ہیں، آئے دن نئے مسائل جنم لے رہے ہیں کبھی فرقہ واریت کے خلاف محاذ ہے تو کبھی این آر سی کا مسئلہ، ہجومی تشدد کے واقعات ہیں تو کہیں پر گؤ رچھکوں کی گنڈہ گردی، کسی شہر سے بہن بیٹیوں کے ارتداد کی دلدوز خبریں آتی ہیں تو کسی جگہ سے غیر مسلموں کے ساتھ مسلم بچیوں کی شادی کرنے کی دل فگار خبریں، منصوبہ بند فسادات نے مسلمانوں کی معیشت تباہ کر دی ہے، نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ناجائز مقدموں میں جیلوں میں پڑی ہے، بلڈوزر کلچر کو فروغ دے کر مسلمانوں میں خوف و دہشت پیدا کرنے کے نت نئے حربے آزمائے جا رہے ہیں۔

حالیہ دنوں میں یکساں سول کوڈ کا مسئلہ مسلمانوں کو بے چین کیے ہوئے ہے کہ ہندوستانی مسلمان جواب تک اپنے عائلی مسائل پر عمل کرتے آرہے ہیں اور جسے انگریزوں کے زمانے میں بھی ایک آئینی حیثیت حاصل تھی، ملک کی آزادی کے بعد سے اب تک اسے قانونی حیثیت حاصل ہے اسے ختم کرنے کے لیے یکساں سول کوڈ نافذ کر دیا جائے گا ایسے حالات میں ایک فکر مند مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ ترجیحی طور پر ہمارے لیے کام کا میدان کیا ہونا چاہیے؟ کن خطوط پر چل کر ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے لیے لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے، کس طرح ہندوستانی مسلمان اپنا مستقبل بہتر بنا سکتے ہیں، ہندو احیاء پسند تحریکوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں، وہ کون سا راستہ ہوگا جس پر چل کر ہندوستانی مسلمان اپنے ایمان اور اپنے آنے والی نسلوں کے ایمان کا تحفظ کر سکتے ہیں اور ہندوستان میں اپنی تہذیب و تشخص کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں؟

ترجیحات طے کرنے کی ضرورت ہے

ظاہر ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے طویل منصوبہ بند جد و جہد کی ضرورت ہے اور جس انداز پہ اسلاموفوبیا کا زہر پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، مسلمانوں کے خلاف نفرت کا جو طوفان برپا کیا گیا ہے اس کا مقابلہ بھی اسی درجہ پیار و محبت، اخوت و بھائی چارہ، خدمت خلق، انسانیت کا درد بانٹ کر کیا

* استاذ و مفتی دارالعلوم وقف دیوبند

جاسکتا ہے،لیکن اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں مسلمانوں کے ایمان ویقین کے تحفظ کے لیے اور نسل نو کے ایمان کو بچانے کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ دینی تعلیم کے نظم کے لیے مکاتب قائم کیے جائیں، کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کے اپنے اسکول ہوں جہاں پر عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی مکمل نظم ہو،لیکن جہاں پر یہ نظم نہیں ہوسکا ہے، وہاں پر مکاتب قائم کیے جائیں اور اس کو یقینی بنایا جائے کہ مسلمانوں کا ہر بچہ دینی تعلیم حاصل کرے اس لیے کہ جز وقتی تعلیم کے لیے وقت نکالنا اور ایک گھنٹہ یا دو گھنٹہ دینی تعلیم کے لیے فارغ کرنا اسکول کے بچوں کے لیے بھی آسان ہے۔اس کے بغیر ہم اپنے بچوں کے ایمان کو نہیں بچا سکتے ہیں۔

دنیا کی برق رفتاری میں خدا بیزاری کا عنصر

اس وقت دنیا جس برق رفتاری سے محوسفر ہے، اور سائنس وٹکنالوجی کی ایجادات نے جس طرح پوری انسانیت کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، آج انسانی دماغ جو روبورٹ بنا رہا ہے اس کے بارے میں ماہرین کی پیش گوئی یہ ہے کہ یہ انسانی دماغ سے آگے بڑھ کر کام کرنے لگے گا، ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ دو ہزار سال میں انسان نے انفارمیشن ٹکنالوجی میں ایسی ترقی نہیں کی ہے جس قدر اکیسویں صدی کے بیس سالوں میں کی ہے۔آج کی صورت حال یہ ہے کہ انسان حسی دنیا سے ورچوئل دنیا اور فرضی دنیا کی طرف جا رہا ہے، اور فرضی دنیا میں زندگی گزار رہا ہے۔آج ہندوستان سائنسی ترقی کی بنیاد پر چاند پر کمندیں گاڑ رہا ہے، جس کی تباہ کاری یہ ہوگی کہ سائنس کے ان ایجادات کے سامنے انسان کو خدا کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوگی، انسان اپنی عقل سے یہ فیصلہ کرے گا کہ اس دنیا کو چلانے کے لیے خدا کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم اس تباہ کن دنیا میں قدم رکھ چکے ہیں، سائنسی ترقی کا سب سے پہلا منفی اثر مذہب پر پڑے گا اگر ہم نے اپنی نسل میں ایمان کا بیج نہیں بویا، ان کے اندر درست عقائد کا پودہ نہیں لگایا، اسلام کی اہمیت وعظمت اور خدا کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور آخرت کے پیغام کا پانی ڈال کر ان کے عقیدے کی جڑوں کو مضبوط نہیں کیا تو ہماری آنے والی نسل کے دل ایمان سی خالی ہوں گے وہ نہ صرف تہذیبی ارتداد کا شکار ہوگی؛ بلکہ ملحد ہوگی جن کے پاس ٹکنالوجی کی طاقت کے سامنے کوئی دوسری طاقت قابل قبول نہیں ہوگی۔

تعلیم کے ذرائع میں مکتب کا مقام

انسان کی تعلیم وتربیت کے پانچ ذرائع ہیں: پہلا ذریعہ ماں کا گود ہے، ماں کی گود کو پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے ماں کی تعلیم وتربیت بچے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے لیکن آج کل ماؤں کے پاس ہی دینی تعلیم نہیں ہے اور نہ ہی ان کا مزاج دینی ہے اس لیے بچوں کو قرآن اور کلمہ یاد کرانے کے بجائے موبائل دیے جاتے ہیں اور

نیند لانے کے لیے دعا، کلمہ اور حمد کی لوریوں کی جگہ انہیں گانے سنائے جاتے ہیں اس طرح تعلیم کا پہلا مرحلہ دینی تعلیم کے حوالے سے ضائع ہو چکا ہے۔ دوسرا ذریعہ گھر کا ماحول ہے بچے گھر کے ماحول میں بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں اور اپنے بڑوں کی نقل اُتارنا چاہتے ہیں، آج گھر کا ماحول بھی دینی نہیں ہے، گھروں میں تعلیم وتربیت کے بجائے فون، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کی تباہ کاری صاف دکھائی دے رہی ہے؛ اس لیے یہاں بھی ناکامی ہاتھ آتی ہے۔ تیسرا ذریعہ اسکول ہے جہاں پر موجودہ زمانے میں اسلام سے دور کرنے کی ہی کوشش ہو رہی ہے، نصاب میں ایسی چیزیں شامل کی جارہی ہیں جس سے بچہ اسلام سے دور ہو جائے، خارجی پروگراموں کے ذریعہ بچوں کو ناچ گانے اور بے حیائی کا عادی بنایا جارہا ہے، قومیت کے نام پر ہندوانہ تہذیب کو فروغ دیا جارہا ہے اس لیے اس ذریعہ سے دینی تعلیم وتربیت کی توقع جنون اور پاگل پن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک ذریعہ مدرسہ ہے جہاں پر الحمدللہ دینی تعلیم وتربیت کی مکمل کوشش کی جارہی ہے لیکن سماج کے صرف دو، ڈھائی فیصد بچے ہی اس ذریعہ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس طرح سماج کا ایک بڑا طبقہ اس ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنے میں کوتاہ ہے، اس لیے اب ایک آسان راستہ رہ جاتا ہے کہ ہر محلہ میں بلکہ ہر گلی میں مکتب قائم کیا جائے اور اس کو فیس کے نظام سے مربوط کیا جائے تاکہ اس کو چلانے کے لیے مزید کسی صرفے کی بھی ضرورت نہ ہو اور جو لوگ اسکولوں میں انگریزی تعلیم کے لیے مہنگی فیس دے کر اپنے بچوں کو تعلیم دلا رہے ہیں وہ کچھ فیس دے کر اپنے بچوں کو دینی تعلیم بھی دلائیں تاکہ عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کی اہمیت بھی ان کے سامنے رہے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کی وصیت

اگر کوئی باپ یہ مانتا ہے کہ میرے بچوں کو ایمان پر باقی رہنا چاہیے، اگر وہ اپنے بچوں کو وہی وصیت کرنا چاہتے ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے اپنی آخری عمر میں معلوم کیا تھا: مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ اور بچوں نے جواب میں کہا تھا: قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (بقرۃ آیت نمبر: ۱۳۳) ہم آپ کے رب، اور آپ کے آباد واجداد ابراہیم واسمٰعیل اور اسحٰق (علیھم السلام) کے رب (یعنی ایک) خدا کی عبادت کریں گے اور ہم صرف اُسی کے فرمانبردار ہیں۔ اگر ہمارا یہ جذبہ ہے کہ ہمارے بچوں میں توحید کا پیغام زندہ رہے، اسلام اور کفر کا فرق ان کے دل ودماغ میں رہے وہ اسلام پر قائم رہیں، خدائی قانون کو اپنی زندگی میں لائیں، عبادات کی اہمیت ان کے رگ وریشے میں پیوست ہو تو اسکول کی تعلیم کے ساتھ علاحدہ وقت میں مکتب کا نظم کر کے انہیں دینی تعلیم ضرور دلانی ہوگی۔ ورنہ وہ بچے اسکولی تعلیم حاصل کر کے ونحن له مسلمون کا سبق

بھول جائیں گے۔

اسکولی تعلیم میں مذہب بیزاری

یہ ایک سچائی ہے کہ سرکاری سطح پر بچوں کو مرتد بنانے کی پوری تیاری کر لی گئی ہے، اور اس کے لیے اسکول کو ہدف بنایا گیا ہے، اسی لیے اسکول کے نصاب سے لے کر طریقہ تعلیم، اور تربیت کے نام پر یوگا، سوریہ نمسکار، وندے ماترم، وغیرہ وہ تمام چیزیں نظام میں شامل کر دی گئیں کہ اس تعلیم کو پا کر بچہ سب کچھ بن سکتا ہے لیکن مسلمان باقی نہیں رہ سکتا ہے، ایک اسکول میں بچے سے امتحان میں یہ پوچھا گیا کہ بارش کون برساتا ہے؟ اور آپشن دیا گیا وشنو اوتار، کرشن اوتار یا رام اوتار، ظاہر ہے کہ بچوں کو یہی پڑھایا گیا ہے کہ بارش یہ اوتار برساتے ہیں، یہ زمین ہمیں غلہ دیتی ہے اس لیے صبح سویرے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس زمین کو نمن کریں، اس کے آداب بجالائیں، یہ سورج ہمیں کرنیں دیتا ہے جس سے ہمارے جسم میں توانائی آتی ہے اس لیے ہمارا فرض ہے کہ سورج کو نمن کریں۔ اس طرح قومی تہذیب کے نام ہندو سنسکرتی کو فروغ دیا جارہا ہے۔

مکاتب اور دینی تعلیم کی اہمیت اکابر علماء کی نظر میں

اگر ہم اپنے بچوں کے ایمان کے لیے فکرمند ہیں، ان کے مستقبل کے لیے فکرمند ہیں ان کے آخرت کے لیے بے چین ہیں تو ہمیں ترجیحی طور پر مکاتب کے قیام پر توجہ دینی ہوگی اور کوشش یہ ہو کہ سماج کا کوئی بھی بچہ خواہ وہ غریب ہے یا امیر مکاتب کی تعلیم سے محروم نہ ہو۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول ہے:

دینی تعلیم کے بغیر دنیوی تعلیم گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت ہے۔

دینی تعلیمی کونسل کے ۱۹۶۰ء کے اجلاس میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ مکاتب اور بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: دو باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں یا تو خدانخواستہ اپنی نسلوں کے دینی اور تہذیبی ارتداد پر راضی ہو جائیں یا پھر اس فیصلہ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں کہ ہمیں اللہ کی مدد سے ایک ایک بچہ کو ارتداد کے اس طوفان سے بچانا ہے اور اس راستہ میں ہمیں جو محنت کرنی پڑے اور جو قربانی دینی پڑے اس سے دریغ نہیں کرنا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب فرماتے ہیں: اسلامیات کی حفاظت کے لیے مکاتب اور مدارس سے زیادہ مؤثر کوئی نہیں ہے۔ آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آسکتی ہے وہ ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے اور بغیر اس ضروری تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو اپنے پیغمبر، اپنے عقائد اور فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص

رواجی یا معاشی تعلیم دلانا گناہ اوراپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں، اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے اور ہم اس میں سچے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت کوئی ترغیب، کوئی مصلحت، کوئی تعزیر ہم کو صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی اور ہماری نسلوں کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں کرسکتی ہے اگر ہمارا یہ فیصلہ نہیں ہے تو حکومت کی کوئی رعایت، کوئی استثناء کوئی تحفظ، کوئی انتظام ہم کو فساد والحاد اور انحراف وارتداد سے بچا نہیں سکتا ہے جس ارتداد کی طرف دنیا تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

(مکاتب کی اہمیت: اکابرامت کی نظر میں ۵)

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر مسلمان بچوں کے لیے بنیادی مذہبی تعلیم کا نظم نہ کیا گیا تو یقین کیجئے کہ بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد جب ہر انسان اپنے معاشی حالات میں گھر جاتا ہے تو ہماری آنے والی نسلیں اسلام اور اسلام کی تعلیم سے محروم ہوتی چلی جائیں گی اور اگر دینی امانت کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا فرض ادا کرنے میں ہم نے ذرا بھی کوتاہی کی تو آنے والے دور میں اسلام کے تحفظ و بقا کا مسئلہ سخت مشکل ہوجائے گا۔(خطبات مجاہد ملت: ۲۷۳)

مولانا محمد میاں صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر آپ اپنی مسجد کے اماموں پر لازم کردیں کہ وہ آپ کے بچوں کو مذہبی تعلیم دیں اور اس سلسلے میں آپ ان ائمہ کرام کی ضروریات زندگی کی تکفیل کرلیں تو آپ ہر قسم کی کدو کاوش سے نجات پاجائیں گے۔آپ کی تہذیب بھی زندہ رہے گی، آپ کا مذہب بھی محفوظ رہے گا اور اس طرح اردو زبان بھی لازوال ہوجائے گی اور آپ ایک عظیم الشان فرض کو انجام دے سکیں گے۔(البلاغ تعلیمی نمبر: ۲۰)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سہارن پور کے دینی تعلیمی کنونشن کے صدارتی خطاب میں دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: آج کے دور میں دینی تعلیم ہی ان کے لیے پناہ گاہ ہے ان کی مصیبت و پریشانی کا راز نہ عددی قلت میں پنہا ہے نہ زرو مال کی کمی میں؛ بلکہ بہت حد تک جہالت میں مضمر ہے آج جب کہ مذہب کی بنیادی تعلیم سے بھی واقفیت نہیں تو آخر ان کے پنپنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ہر بقا اور ہر ارتقاء کی پہلی سیڑھی تعلیم ہے جہالت سے آج تک نہ کسی قوم نے ترقی کی نہ اپنے کو باقی رکھ سکی آپ آخر کس توقع پر ہندستان میں جہالت کی زندگی بسر کرکے اس پر قانع بنے بیٹھے ہیں اور آپ کے سامنے کون سا نصب العین ہے جو جہالت کے ساتھ پروان چڑھے گا۔

اسی صدارتی خطاب میں حضرت حکیم الاسلامؒ مکاتب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: آج ہم نے تعلیم کے مسئلہ کو پیچیدہ بنادیا ہے ورنہ تعلیم کا مسئلہ جتنا اہم تھا اتنا ہی سہل بھی تھا ہر محلہ میں مسجدیں تھیں اور ہر مسجد میں ایک میانجی کا وجود بھی لازمی تھا اور اس کی کوئی تنخواہ خاص نہ ہوتی تھی،۔۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ: ۳۶ پر)

اصلاحی مضامین

ایمان اور عمل صالح

از: سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

انسان جس کا سر خلافت و نیابتِ الٰہی کے تاج سے سجا ہوا ہے، اُسے اللہ نے اپنی عبدیت و بندگی کے لئے پیدا کیا ہے، اللہ اس کا خالق ہے وہ مخلوق ہے، اللہ حاکم ہے وہ محکوم ہے، اللہ مالک ہے اور وہ مملوک ہے، معبودِ حقیقی نے اس دنیائے فانی میں انسان کو ابتلاء وآزمائش کے دور سے گذارا اور قدم قدم پر اس کی عبدیت وبندگی کا امتحان لیا، اور بار بار جتایا کہ فلاح وکامرانی کی شاہ راہ یہ ہے، اور ناکامی ونامرادی اِن راستوں سے آسکتی ہے، تمہیں غفلت وبے حسی سے نہیں بل کہ مکمل تیقظ وبیداری سے زندگی گذارنی ہے اور اس کے بعد جزاء وسزا کے لئے ایک دن مقرر ہے، وہاں کی کامیابی حقیقی کامیابی اور وہاں کا خسران حقیقی خسران ہوگا۔

آخرت کی حقیقی کامیابی اور نجات دو چیزوں پر رکھی گئی ہے: ١ ایمان، ٢ عمل صالح؛ اللہ کی وحدانیت، پیغمبر کی رسالت، اور نبی جو کچھ پیغاماتِ الٰہی لے کر آئے یعنی شریعت اور یومِ آخرت کو دل سے ماننا "**ایمان**" کہلاتا ہے؛ اور اسی ایمانی تقاضے سے فرائضِ عبدیت کو بجالانا اور اس میں کوتاہی سے بچنا "**عملِ صالح**" کہلاتا ہے۔ اس دنیا میں ایمان کو پانا اور اس کی تاحیات حفاظت کرنا اُخروی فلاح کے لیے ضروری ہے، اس کے بغیر نجات ممکن نہیں، کوئی بندہ عمر بھر مومن رہے اور کفر پر آخری سانس لے تو وہ ناکام ونامراد ہے، اور کوئی بندہ عمر بھر غیر اللہ کے سامنے سر جھکاتا رہے اور غرغرۂ موت سے قبل اسلام لے آئے تو وہ کامیاب وبامراد ہے۔

بندہ سے صادر ہونے والے معاصی وجرائم دو طرح کے ہیں: کچھ تو ایمان کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں، جیسے کفر وشرک، نفاق، الحاد وارتداد، خدا کا انکار، خدائی صفات کو مخلوق کے ساتھ خاص کرنا، مخلوقات کو خدائی درجہ دینا، خدا سے مایوس ہوجانا، اُسے ظالم سمجھنا، اس کے فیصلوں سے ناخوش رہنا، رسولوں میں سے کسی رسول کا انکار یا ان کی تحقیر وتذلیل، آسمانی کتب کا انکار، دین اور شریعت کے احکام کا مزاق اُڑانا، تقدیر کو نہ ماننا، بعث یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے کا انکار، عذابِ قبر کا انکار، جنت ودوزخ کا انکار۔ وغیرہ

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اور کچھ اعمال (گناہ ومعاصی) وہ ہیں جو ایمان کو مضمحل (کمزور) کر دیتے ہیں ، جیسے ترکِ صوم وصلوٰۃ ، زکوٰۃ وحج ادانہ کرنا ، والدین کی نافرمانی ، سحر وجادو ، ظلم وزیادتی ، ناحق قتل ، فریب ، امانت میں خیانت ، اسراف و تبذیر ، سرقہ ، رشوت خوری ، سود ، جھوٹ ، عہد شکنی و وعدہ خلافی ، تحقیر وتذلیل ، چغلی وغیبت ، شراب نوشی وقحبہ گری ، بدنظری ، زناکاری وناجائز عشق ومعاشقے ، تصویر سازی وتصویر کشی ، بدگمانی ، بدزبانی ، گالی گلوچ ، رقص وسماع وغیرہ اس کے علاوہ لاتعداد صغیر وحقیر گناہ بھی قلب میں ظلمت وسیاہی پیدا ہی کرتے رہتے ہیں ، اس لیے ہر طرح کی مہلکاتِ ایمانی سے قلب اور اعضاء وجوارح کو محفوظ و مامون رکھنا ایک مومن ومسلم کا فریضہ لابدی ہے ، وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ۝۱۲۰ (تم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو ، یہ یقینی بات ہے کہ جو لوگ گناہ کماتے ہیں اُنہیں ان تمام جرائم کی جلد ہی سزا ملے گی جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے)۔ یا عائشة ایاك و محقرات الذنوب فان لها طالبا من الله عز و جل (اے عائشہ ! چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچو ، اللہ عزوجل کی طرف سے ان کی بھی پوچھ ہوگی ۔) جیسی نصوص قطعیہ اس کا بین ثبوت ہیں ۔

جن خوش نصیبوں کو بطونِ امہات سے نورِ ایمان نصیب ہے انہیں اس امانت الٰہی کا ہمیشہ پاسبان رہنا ہے اور جو حرماں نصیب اس دنیا میں کفر کی کوکھ سے جنم لے چکے ہیں اُنہیں اپنی کل مولود یولد علی الفطرۃ والی فطرت اصلیہ کی طرف عود کر کے نورِ ایمان سے قلب کو روشن کرنا ہے تبھی وہ اُخروی نجات پاسکتے ہیں ۔

ایک طرف نفس وشیطان اور شیاطین الانس کی مکمل جدوجہد اور سعی بلیغ ہے کہ کسی طرح انسان خائب و خاسر ہو ، اسی لیے کتاب اللہ نے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (واقعہ یہ ہے کہ نفس تو برائی کی تلقین کرتا ہی رہتا ہے) اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۝۶ (یقین جانو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ، اس لئے اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو ۔ وہ تو اپنے ماننے والوں کو جو دعوت دیتا ہے وہ اس لئے دیتا ہے تاکہ وہ دوزخ کے باسی بن جائیں) جیسی نصوص صریحہ کے ذریعے آگاہی دی ہے کہ اعداءِ ایمان اور احزاب الشیطان تمہیں مومن دیکھنا نہیں چاہتے وہ تمہیں جہنم رسید کرنے میں مشغول ہیں ، وہ پوری ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ تم ان کے لشکر کا حصہ بن جاؤ اور ان کی فوج میں شامل ہو جاؤ ۔

دوسری طرف صحیفۂ آسمانی وحیِ رحمانی ، انبیاء وعلمائے ربانی اور دعاۃِ اسلامی اور ان کی تعلیمات نورانی بندگانِ خدا کی کمر پکڑ پکڑ کر قعرِ نار (جہنم کے گڑھے) میں گرنے سے بچانے میں اپنی توانائیاں صرف کر رہی ہیں اور لوگوں کی فلاح ونجات میں اپنی جانوں کو گھلا رہے ہیں ، اس لیے کہ اگر خدانخواستہ ہزار بار خدانخواستہ یہ

نورِ ایمان بجھا تو سمجھو کہ اہلِ ایمان حقیقت میں لُٹ گئے، دنیا تو گئی ہی آخرت میں بھی "خلود فی النار" کا پرچہ ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔ ذلك هو الخسران المبين ۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا کے حکمِ خداوندی کے مطابق ہمیں خود اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ایمان کا حارث ورقیب بنے رہنا ہے کہ کفر وعصیاں کی کوئی ایسی بجلی قلب پر پڑنہ جائے جو یہ ایمان کو بجھا ڈالے۔

نوائے قلم اہلِ ایمان کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ ایمان تو نصیب ہو گیا ہے،"بہ گور سلامت روی" کی فکر ضروری ہے، اعمالِ صالحہ کے ذریعے اس کی ضو اور لَو کو بڑھانا اور تیز تر کرنا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خواب خرگوش میں ہدف حیات سے محروم ہو جائیں، کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اجمالی و تفصیلی تعلیمات سے نورِ ایمان کو فزوں تر کرنے اور آخری سانس تک سرسرعصیاں اور طغیانی امواج کی تلاطم سے تحفظ فراہم کیا ہے، اسے روبہ عمل لانا ہے۔ حفظِ ایمان کے لئے اِن اسباب عادیہ کو اختیار کرنا ہے؛ ۱۔ علماء دین سے رابطہ رکھنا، ۲۔ اُن سے دین کا صحیح علم حاصل کرنا، ۳۔ کتاب اللہ کی تلاوت کرنا اور اس کے معانی ومطالب کسی مستند عالم اور معتبر تفاسیر سے سمجھنا، ۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت جاننا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع وپیروی کرنا۔ ۵۔ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا، ۶۔ اہلِ زیغ وضلال اور ملحدین وبے دین لوگوں سے دور رہنا۔

علماء فرماتے ہیں کہ عمل صالح کی ترکیب امتثالِ اوامر واجتناب نواہی (احکامِ الٰہی پر چلنے اور منع کی گئی باتوں سے رُکنے) سے ہوئی ہے، اور اس کا حسن اخلاص اور اتباع سنت سے ہے، کامیاب وپرامن سفر حیات کا یہی توشہ اور زادِ راہ ہے؛ جب بھی کوئی طاعت ونیکی کا ارادہ ہو مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، صدقہ وخیرات، تلاوت و ذکر، ایثار وہمدردی، اشاعتِ دین وتبلیغ اسلام، تحصیل علم وتشویقِ عمل، کسبِ حلال وخدمت اہل وعیال سب اوامر میں دو کام کرنا ہے ایک یہ کہ عمل خالص اللہ کے لیے ہو، دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہو۔ اور جب بھی کبھی کسی نہی اور گناہ سے بچنا ہو مثلاً کذب وافترا، طعن وتشنیع، خیانت وچوری، ریا ونمود، سود خوری وڈکیتی، بے حیائی وبے حجابی، ظلم وبربیت، وغیرہ غرض جملہ معاصئ ظاہرہ وباطنہ سے اجتناب کرنا ہو فوراً بے کم و کاست چھوڑ دینا، اور ندامت کے آنسوؤں سے ظلمتِ قلب کو صاف کر لینا، اور یہ سمجھ لینا کہ یہ ارادۂ خیر بندہ عاصی پر منعمِ حقیقی کا احسان وکرم اور فضل وانعام ہے اور پختہ عزم کر لینا کہ پھر کبھی اس گناہ کی طرف نہیں پلٹوں گا تو انشاءاللہ ضرور ربِ کریم کی مغفرت ورضوان نصیب ہوگی۔ ذلك الفوز العظيم ۔

وفقنا الله وایای لما یحب ویرضی وسهل الله لنا طریق الهدی

اصلاحی مضامین

جنت اور جہنم کا پردہ

از: مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری*

ایک مزدور جس کو شام میں پگار ملنے کی امید ہوتی ہے، پوری توانائی اور تندہی کے ساتھ کام میں لگا رہتا ہے، اسی طرح ایک ملازم جس کو ماہ کے آخر میں تنخواہ ملنے والی ہے سارا دماغی زور لگا کر کمپنی کی ترقی کے لیے مصروف بہ عمل رہتا ہے؛ حالانکہ بوقتِ عمل دونوں کو سوائے مشقت کے کچھ حاصل نہیں ہورہا ہے، اس کے باوجود جو اجر اور بدلہ ان لوگوں کو ملنے والا ہے اس کی خواہش میں یہ لوگ نقد مشقت برداشت کر رہے ہیں، اس طرح کرنے پر اہل دنیا میں سے کوئی ان پر ملامت نہیں کرتا کہ جو چیز ابھی حاصل ہی نہیں اس کی امید میں اتنی محنت کیوں کر رہے ہو، بلکہ ان کی محنت کی قدردانی اور کام کی ستائش ہوتی ہے، یہی ضابطہ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت کے سلسلے میں بنایا ہے کہ اگر انسان دنیا کی وقتی مشقتوں کو برداشت کرلے گا تو آخرت کی جاودانی نعمتوں سے بہرہ ور ہوگا، اللہ تعالیٰ نے انسان کی راحت رسانی اور آسائش وآرام کے لیے جنت بنائی ہے، ایسی جنت جس کی ساری نعمتیں لافانی و ابدی ہیں، جہاں انسان کی ساری حسرتیں پوری ہوں گی لیکن جنت میں داخلہ ہوگا کیسے؟ اس کے لیے انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”حفت الجنة بالمکارہ“ (مسلم) جنت کو مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے یعنی جنت کے اطراف مشقتوں کی آڑ ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ ”جنت کے اطراف مشقتوں کا پردہ پڑا ہوا ہے، جنت اس پردے سے ڈھکی ہوئی ہے، جو کوئی جنت میں داخلہ چاہتا ہے وہ اس پردے کو پھاڑ کر ہی داخل ہوسکے گا“ حدیث میں جو لفظ مکارہ ہے اس کے متعلق شارحینِ حدیث فرماتے ہیں کہ وہ امور جن کا مکلف شخص کو حکم دیا گیا ہے جیسا کہ نفس کو عبادات میں تھکانا، عبادت کے وقت پیش آمدہ مصیبتوں پر صبر کرنا اور مداومت کے ساتھ رب کی بندگی کو انجام دینا، نیز منہیات سے اپنے نفس کو روکنا، غصے کو پی جانا، حلم وبردباری، خلقِ خدا کے ساتھ خیر خواہی، امور خیر میں انفاق، بدسلوکی کا بدلہ حسن سلوک سے دینا اور نفس کے ناجائز تقاضوں پر صبر کرنا وغیرہ گویا تمام ابواب خیر کو لفظ مکارہ شامل ہے؛ اس کو مکارہ (ناپسندیدہ

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

چیزیں) اس لیے کہا گیا ہے کیوں کہ انسان کے لیے یہ کام ناپسندیدہ اور پرمشقت ہوتے ہیں، مثلاً سخت سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنا انتہائی ناگوار امر ہے، اسی طرح گرمی کے وقت روزے کی حالت میں بھوک و پیاس برداشت کرنا اور اپنا ذاتی صرفہ لگا کر سفر کی مشقت برداشت کر کے مناسک حج کو انجام دینا، گویا ہر عبادت میں انسان کو مجاہدہ لاحق ہوتا ہے، لیکن ان مجاہدات اور تکلیفات کے پردے کو مومن پھاڑے گا اور وقتی ناگواری کا تحمل کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ابدی راحت والی جنت میں داخلہ عطا کریں گے جہاں اس کو سکون ہی سکون میسر ہوگا۔

حدیث کا دوسرا ٹکڑا ہے" حفت النار بالشھوات " یعنی جہنم کو خواہشات سے گھیر دیا گیا، یعنی جہنم کے اطراف نفسانی خواہشات کا پردہ پڑا ہوا ہے اگر انسان اپنے نفسانی خواہشات کی تکمیل میں لگا رہے گا مثلاً حرام طریقے سے مال کمانا، بدنگاہی وزنا کاری میں مبتلا ہونا، شراب نوشی، سودخوری، عبادات میں کاہلی، ادائیگیٔ حقوق میں کوتاہی، چوری، جھوٹ، ظلم اور دیگر معاصی غرض وہ تمام چیزیں جس میں انسان کا نقد فائدہ ہو اور وقتی طور پر لذت اور سکون اس کو حاصل ہورہا ہو جن کے انجام دینے میں اس کے جی کی تسکین ہو، یہی ساری چیزیں انسان کی شہوات ہیں جس کو حدیث میں جہنم کے پردے اور آڑ سے تعبیر کیا گیا ہے؛ اگر انسان ان شہوات نفسانیہ کا اتباع کرے گا) جہنم کا وہ پردہ شق ہوجائے گا اور انسان جہنم میں داخل ہوجائے گا، یہ تو نفسانی خواہشات کے اتباع کا اُخروی انجام ہے، البتہ نقد وبال یہ ہوگا کہ انسان جادۂ حق سے برگشتہ اور صراطِ مستقیم سے منحرف ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں" وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " کہ تم اپنی خواہشات کے پیچھے مت پڑو! کہ وہ تم کو راہِ خدا سے گمراہی کی طرف پھیر دیں گے، خلاصہ بس یہ ہے کہ اللہ نے طاعت میں مشقت رکھی ہے اور اس کا بہترین اجر جنت کی شکل میں موجود ہے، اور انسان کو جنت میں تمام تر نعمتیں میسر ہوں گی، اللہ پاک فرماتے ہیں" وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ " اس میں تمہارے لیے وہ ساری چیزیں ہیں جو تمہارے نفس چاہتے ہیں اور تمہارے آنکھوں کو لذت دینے والی ہیں، جنت کی تمام نعمتوں میں سب سے بڑی دو نعمتیں ہیں، ایک رضوانِ خداوندی، دوسری رویتِ باری تعالیٰ، حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بہشت سے کہیں گے ''اے اہل جنت! تو وہ جواب دیں گے جی ہمارے پروردگار؛ ہم حاضر ہیں، تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ ''کیا تم راضی ہو؟'' تو جنتی کہیں گے کیوں نہیں!! جبکہ آپ نے ہم کو ایسی چیزیں عنایت فرمائی جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی تو باری تعالیٰ کہیں گے میں تم کو اس سے بھی افضل چیز

دوں گا، وہ عرض کریں گے: ''باری تعالیٰ اس سے افضل چیز کیا ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تمہیں اپنی رضا سے نوازتا ہوں، آج کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھیں گے کیا تم کچھ اور چاہتے ہو جو میں تم کو عطا کرسکوں؟ تو وہ کہیں گے باری تعالیٰ آپ نے ہمارے چہروں کو سفید (روشن) کیا ہم کو جنت میں داخل کیا اور جہنم سے نجات دی؛ (اس کے علاوہ ہمیں اور کیا چاہیے) پھر اللہ تعالیٰ اپنا حجاب (جو بندوں اور خدا کے درمیان ہے) اٹھا لیں گے اور اپنا دیدار کروائیں گے تو بندوں کو اپنے رب کے دیدار سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں لگے گی۔ (مسلم)

ان کے مقابل معاصی ہیں جو فی الحال مزہ کی چیز ہیں، مگر ان کا خمیازہ دخول جہنم کی شکل میں بھگتنا پڑے گا، جہنم کے عذابات اور اس کے احوال کو قرآن و حدیث میں طرح طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ وہاں کے چیخ و پکار کیسے ہوں گے؟ وہاں کے صبح و شام کیسے ہوں گے؟ جہنمیوں کا کھانا پینا کیا ہوگا اور اس پر مسلط فرشتوں کی صفت و کیفیت کیسی ہوگی؟، وہاں کے عذابات کی سختی اور جہنم کی دہکتی آگ کی شدت وغیرہ سب تفصیلات کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت کعب احبار رحمہ اللہ جہنم کی گرمی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر تم مشرق میں ہو اور جہنم مغرب میں ہو تو اس کی گرمی اور تپش اس قدر سخت ہوگی کہ تمہارا دماغ پگھل کر ناک کی راہ سے نکل جائے گا۔

غرض انسان کے لیے جہنم کی ہولناکیوں سے بچاؤ اور جنت میں داخلے کا واحد راستہ صبر ہے؛ لہٰذا جنت کی لذتوں کی خاطر دنیا کی مصیبتوں پر صبر کرے اور طاعات کی مشقتوں کا تحمل کرے، جس شخص کے پیش نظر دنیا کی زندگی ہو اس کے بارے میں فرمایا "فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى ۝۳۷ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۝۳۸ فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ۝۳۹ " جو کوئی سرکشی اختیار کرے اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، ساتھ ہی خدا ترس بندہ کو بشارت دیتے ہوئے کہا "وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۝۴۰ فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ۝۴۱ " جو کوئی خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہو اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا ہو تو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی۔

اللھم انا نسألك الجنة و نعوذ بك من النار

اصلاحی مضامین

پتنگ بازی اور اسلامی نقطہ نظر

از قلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی*

اسلام ایک کامل و مکمل ابدی و دائمی مذہب ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق اور ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک اور منزہ و مبرا ہے، اسلام گوشہ نشینی اور ترک دنیا و مافیہا کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ انہیں فعال، خود کفیل، بہادر و توانا دیکھنا چاہتا ہے، یہ مذہب اسلام کی نہ صرف خوبصورتی ہے بلکہ تمام مذاہب عالم میں اسے ایک امتیاز عطا کرتی ہے؛ لیکن مسئلہ اہل اسلام سے تعلق رکھنے والوں کا ہے، اگر وہ مذہب اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو اہمیت دیتے ہوئے اپنی عملی زندگی میں لائیں گے اور احکام قرآنی اور ہدایات نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام کو حرز جان بنائیں گے تو اسلام اپنی فطرت کے مطابق علو مرتبت سے نہ صرف ہمکنار کرے گا بلکہ سعادت و کامرانی کی معراج تک پہنچا دے گا اور اگر اسکے برعکس اسلام کے نام لیوا شریعتِ اسلامیہ اور اسلامی تہذیب و تمدن کو بالائے طاق رکھ کر اغیار کی نقالی اور کفر و شرک بدعات و خرافات میں مبتلا ہو جائیں گے تو اسلام کی بلند شان میں کمی تو نہیں آئے گی وہ اپنی حقیقی تعلیمات کی وجہ سر بلند ہی رہے گا البتہ مسلمان اپنی شناخت کھو کر جسدِ بے روح اور مردہ لاش کے مانند ہو جائیں گے یہ ایک مسلمہ اصول ہے تاریخ کے صفحات اس اصول کی سالمیت سے بھرے پڑے ہیں۔

قارئین کرام! اگر آپ اس اصول کو سمجھ چکے ہیں تو اس دور میں پائے جانے والی ان چیزوں پر نظر ضروری ہے جو ہمیں مذہبی اور اسلامی طور کمزور کر رہی ہیں بالخصوص ان دنوں ہمارے علاقے میں پتنگ بازی کا کافی رجحان دکھائی دے رہا ہے مالدار اپنی حیثیت سے اور غریب اپنی استطاعت کے بقدر ہی سہی کسی نہ کسی طریقے سے اس ہندوانہ رسم کو انجام دے رہے ہیں نوجوانوں نے اپنی جوانی کو شوق پورا کرنے کا ذریعہ سمجھ کر غیر شرعی افعال کو انجام دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے، اسکے علاوہ جو والدین اور سنجیدہ و سمجھدار طبقہ ہے وہ پتنگ بازی نہ بھی کر رہا ہو تو کم از کم اپنے بچوں کی ضد اور خواہش کو پورا کرنے کے لیے پتنگ خرید کر دیتے ہیں، جو نہ صرف اپنے مال کا ضیاع ہے بلکہ اپنی اولاد کی اسلامی تربیت کا جنازہ خود اپنے ہاتھوں اٹھانے کے مترادف ہے،

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدر آباد

حتی کہ بعض افراد سیکولرازم کے پرفریب جھانسے میں مبتلا ہوکر یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ ہندوستان گنگا جمنی تہذیب کا حامل ملک ہے یہاں ہندو بچوں کے ساتھ ان کی دلجوئی کے خاطر مسلمان بھی پتنگ اڑالے تو کیا حرج کی بات ہے؟ اس میں کونسا دین ایمان کا خسارہ ہے؟ لوگوں نے اس ہندوانہ رسم کو جو آگے بڑھایا ہے اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ اس کو تفریح کا خوبصورت ذریعہ اور انجوائے کا بہترین طریقہ سمجھتے ہیں جو کہ سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

پتنگ بازی اور شریعت اسلامیہ

اسلامی شریعت کھیل کود اور تفریح سے کلیۃً منع نہیں کرتی ہے بلکہ کھیل کود اس انداز میں ہو جو شرعاً مستحسن و مطلوب ہوتا کہ جسم وروح کا ملال ختم ہو اور طبیعت میں چستی، حوصلہ وہمت، امنگ اور تروتازگی کی وجہ سے انسان اپنے اعلیٰ مقاصد حیات کی راہ پر گامزن ہوسکے اور جس میں کسی کے نقصان ودل آزاری کا شائبہ تک بھی نہ ہو، جبکہ پتنگ بازی میں خاص طور پر اغیار کی نقالی کی جاتی ہے فضول خرچی، ضیاع وقت، آلہ علم (کاغذ) کی بے حرمتی ہوتی ہے، عمارت اسلام کے قوی ترین ستون نماز کا انہدام، اور بے پردگی کرکے قرآن وسنت کے واضح احکامات کا ترک کرنا لازم آتا ہے جس کی بنا شریعت اسلامیہ پتنگ بازی کو بہت سے مفاسد اور گناہوں کا ذریعہ قرار دے کر اپنے ماننے والوں کو اس سے روکتی ہے۔

نیز پتنگ بازی کرتے وقت چھت سے گرنے کے احتمالات بکثرت پائے جاتے ہیں بلکہ ہر سال ہر شہر میں کئی جانیں لقمہ اجل بنتی ہیں جبکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر منڈیر کے چھت پر سونے سے بھی منع فرمایا ہے کہ سونے والا اچانک اُٹھ کر چلنے لگے اور منڈیر نہ ہونے کی وجہ سے گر نہ جائے۔ ان سب کے ساتھ پتنگ بازی میں کثیر رقم بے دریغ ضائع کردی جاتی ہے جو کہ اسراف ہے جبکہ اللہ رب العزت نے بین الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) جبکہ اسی رقم سے کئی ایسے کام کیے جاسکتے ہیں جن سے مسلم معاشرتی بہبود کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں اصلاح الرسوم از حضرت تھانوی علیہ الرحمہ)

آج ہماری قوم تعلیمی وتمدنی تہذیبی وثقافتی ہر میدان میں زوال کا شکار ہے کاش کہ ان فضول خرچیوں کو ہمارا معاشرہ ترک کرے غفلت و لاپرواہی کے خواب سے بیدار ہوجائے اور اپنے اسلامی وتہذیبی ورثہ کی حفاظت اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کی کچھ فکریں اپنے ذہنوں پر سوار کرے تو یقیناً اس ملک میں امت مسلمہ کا مستقبل سنور سکتا ہے۔

پتنگ کی تجارت اوراس کا شرعی حکم

آج کل بہت سے مسلمان بھی پتنگوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں، اپنی چھوٹی چھوٹی دکانوں سے پتنگ کی تجارت کرتے ہیں، یا مکرسنکرانتی کے موقع پر خاص پتنگوں کا اسٹال لگاتے ہیں، پتنگ اڑانا اوراسے بنا کر بیچنا اوراس کی تجارت کرنا ایک مسلمان کے لئے کیا حکم رکھتا ہے؟ اگر نا جائز ہے تواس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً......جس کھیل میں دین یا دنیا کا کوئی بھی فائدہ ہواور شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی بھی نہ ہوتی ہوتو ایسا کھیل کھیلنا جائز ہے، پتنگ اڑانے میں نہ تو دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیوی کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے، بلکہ اس کی مشغولیت کی وجہ سے نمازیں قضا ہوجاتی ہیں اور جان ومال کی ہلاکت اور فضول خرچی اور بے پردگی جیسے گناہ ہوتے ہیں، اس لئے پتنگ اڑانا یا کٹی ہوئی پتنگ کا لوٹنا سب ناجائز ہے، لہذا پتنگ بنانا اوراس کی تجارت کرنا سب گناہ کے کام میں مدد ہے اورناجائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۲۸۴، جواہر الفقہ: ۳۴۴)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت اسلامیہ کے مطابق اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہرطرح کے بدعات وخرافات سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

(بقیہ صفحہ: ۲۷ سے)

اہل محلہ اس کے کفیل ہوتے تھے محلے کے بچے اس کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے اور وہ بہت سادہ اور معمولی طریقہ پر ان بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم وتربیت کا کفیل ہوتا تھا آج کون نہیں جانتا کہ ان غیر رسمی مکتبوں میں پڑھے ہوئے بچے جس حد تک دین اور دین کی بنیادی باتیں لے کر نکلتے اور دین کا پختہ نمونہ پیش کرتے تھے آج کے معمولی علماء ومشائخ بھی علم واخلاق کا وہ نمونہ پیش نہیں کرسکتے۔ کیا ہم اتنا بھی نہیں کرسکتے کہ تعلیمی سلسلہ میں نئی ضرورتوں کے مطابق مساجد کی پرانی تعلیم کو پھر زندہ کریں جس میں ایک ہی شخص بچوں کی تعلیم وتربیت کا کفیل ہو، محلہ یا بستی والے ایمانی جذبہ کے ساتھ ان کا خرچ برداشت کرلیں۔

(خطبہ صدارت دینی تعلیمی کانفرنس سہارن پور، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، ۲۲)

اصلاحی مضامین

ہستی تیری لائق تقلید ہے

بہ قلم: مولانا محمد عمر نظام آبادی قاسمی*

اس خاکدانِ گیتی پر ہر فردِ انسانی اور بندۂ ربانی اس بات کا مشتاق و آرزومند ہوتا ہے کہ وہ سرخروئی و کامیابی کی اونچائیوں اور اخلاق و کمالات کی بلندیوں پر پہونچ جائے، عزت و وقار اور شرف و کمال کی برتری پا جائے، ہر ایک کا منظورِ نظر اور محبوبِ خاص و عام ہوجائیں؛ لیکن ان مقاصد و مناصب کی حصول یابی اور فلاحِ دارین کی اقبال مندی کے لئے کسی قابل مقتدا اور کامل رہنما کا اسوہ چاہیے کہ اس نقشِ پا یا نشانِ راہ سے ہوکر منزلِ مقصود تک رسائی ہوسکے؛ لیکن اس بابت آئینۂ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ تحت اُدیم السماء کوئی ایسی مقدس ومتبرک شخصیت (جو اس قدر قابلِ تقلید اور لائقِ اتباع ہو) نہیں گذری؛ سوائے اس ہستی کے کہ جو ماہِ درخشاں، نیرِ تاباں، صاحبِ عرفاں، ممدوحِ یزداں اور وجہِ تخلیق کون ومکاں ہے یعنی حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی قدر ہے جیسا کہ آپ کی سیرت واسوہ کے تعلق سے قرآن مجید کا اعلان ہے: (اے مسلمانو!) تمہارے لئے اللہ کے پیغمبر کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔ (سورۃ الاحزاب: ۲۱)

یعنی یہی وہ سانچہ ہے جس میں ڈھل کر ہر مردِ مومن اقدار و کمالات کا مرکز اور محاسن و مکارم کی معراج پاسکتا ہے کیوں کہ قرآن میں جو قال ہے وہی ذاتِ نبوی میں حال ہے اسی کو شاعر نے شعر کے قالب میں ڈھال کر یوں ترجمانی کی ہے کہ:

نبی کا اسوۂ حسنہ تجھے یہ درس دیتا ہے
کہ تیری زندگی قرآن کی تفسیر ہوجائے

نبی ﷺ معلمِ انسانیت اور صاحبِ مکارمِ اخلاق ہیں

نبی ﷺ سے ہر مسلمان کی شہ رگ کا تار مربوط ہے، نبی ﷺ کی ذات ہمارے لئے لائقِ اتباع اور واجب الاطاعت ہے کہ آپ کا ہر بول انسانیت کے لئے نجم ثاقب اور ہر ادا شمعِ فروزاں ہے، آپ کے کریمانہ

* فاضل دارالعلوم دیوبند

اخلاق اور شریفانہ عادات واطوار ہر کسی کے لئے تسکینِ قلب اور قرۃِ عین کا موجب ہے، آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ امت کے لئے سراپا ہدایت اور جہالت و لاعلمی کے ظلمت کدہ میں مشعلِ راہ ہے، آپ کا کردار و عمل انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور حیاتِ مستعار کے جملہ شعبوں میں راہ نما اور قطب نما ہے، آپ نے اپنے خلقِ عظیم کے ذریعہ صدق و امانت، وفاداری و راست گوئی، عفو و درگذر، عدل و انصاف، صبر و تحمل، حلم و بردباری، دریا دلی و فیاض دستی، ہم دردی و غم خواری، عاجزی و انکساری، خبر گیری و یتامیٰ پروری، نرم خوئی و بہی خواہی، حسنِ سلوک و خوش مزاجی، معاونت و دستگیری، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، انقیاد و اطاعت، صوم و صلوٰۃ، الفت و محبت، خوف و خشیت، رحمت و رأفت، شفقت و عاطفت اور ارشاد و تبلیغ کا عملی نمونہ پیش کیا۔

فدا ہوں آپ کے کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے تاب دل ایک

وفا کو ایک تخیل بنالیا ہم نے!

سرورِ کائنات ﷺ اپنی قوم کے لئے صرف بہترین رول ماڈل اور مکمل آئیڈیل ہی نہیں بلکہ امت کے تئیں سب سے بڑے محسن اور بہت ہی زیادہ مشفق بھی تھے؛ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیل و نہار امت کی نجاح و فلاح کی فکر اور غم میں صرف ہوتے، آپ کے شب و روز کی قیمتی ساعات ہدایتِ امت کی تڑپ میں گذرتی، راتیں مصلے پر آہ سحر گاہی و نالۂ نیم شبی میں بسر ہوئیں، تقریباً تین سال کا پر کٹھن عرصہ "شعب ابی طالب" میں انتہائی کلفت و پریشانی اور کروب و آلام کے ساتھ گذارا، اور اس پر طرہ یہ کہ طائف کی گلیوں کی وہ خون آلودہ اور لہولہان داستاں جسے سوچ کر بھی روح کانپ جاتی ہے، آنسو رواں ہوجاتے ہیں، اور غزوۂ احد میں آپ کے رخسارِ مبارک کے زخمی ہونے کا وہ اندوہ ناک حادثہ! صرف یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے غرباءِ امت کی رعایت میں اپنی راحت و آسائش بھری زندگی کو تج کر کے فقر و فاقہ اور مفلسی و ناداری کو ترجیح دی؛ لیکن حیف صد حیف کہ آج امت مسلمہ نے اپنے اس محسن و غم گسار نبی کو کیا صلہ دیا؛ یہی کہ ان کی سیرت و سنت کو چھوڑ کر اپنی عمریں عیش میں تیر کردیں، کیا یہ احسان فراموشی اور نمک حرامی نہیں کہ جس رہنما نے اپنے پورے وجود کو جس کی خاطر گُھلا دیا اسی نے ان کے نقشِ پا کو یکسر بھلا دیا، کیا ہمارا کریکٹر نبی ﷺ کے پاکیزہ کردار سے ہم آہنگ اور موافق ہے؟ صورتِ حال تو یہ ہے کہ ہمارے معمولاتِ یومیہ اور اعمالِ صبح و شام اغیار کی نقالی اور اسلام سے بے وفائی میں گذرتی ہیں، ہمارا اندازِ رہن سہن، طرزِ زندگی اور جینے کا ڈھنگ سنت کے بالکل خلاف! مغربی انداز اور یورپین

طورطریق پر جاری ہے، فیا حسرۃ علی الامۃ!

ذرا غور کریں اور سنجیدگی سے سوچیں کہ کل بروزِ محشر خدا کی عدالت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ہمارا دامن پکڑ کر پوچھ لیں تو کیا جواب ہوگا؟

نیز یاد رکھنا چاہیے کہ عشق ومحبّت کے پرفریب نعرے اور جھوٹی عقیدت وبے بنیاد زبانی دعوے محض خوش فہمی کے علاوہ کچھ نہیں، ہم تو ایسی قوم ہیں جو محبتِ رسول کا دم تو بڑے زور وشور سے بھرتے ہیں؛ لیکن اپنے اس محسن نبی کے احوال وآثار سے اس قدر انجان اور نابلد ہیں کہ سیرت سے واقفیت ہے نہ ازواج اور آل وعترت سے آشنائی، نہ شمائلِ نبوی اور خصائلِ محمدی کا پتہ ہے نہ سنن وآداب کی خبر، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہمیں ہر آن ہر لحظہ اور ہر لمحہ یہ فکر دامن گیر رہتی کہ ہمارا ہر کام سنتِ رسول کے مطابق ہوگا؛ عادات وعبادات، معاملات و معاشرت، رفتار وگفتار، نشست وبرخاست، سفر وحضر؛ حتی کہ صبح سے شام تک کی تمام مصروفیات کا دائرہ کار سیرت وسنت سے مربوط ومنسلک ہوگا؛ کیوں کہ

کافی نہیں ہے بیٹھ کے مدح و ثنا کریں
اٹھو کہ آج حقِ محبت ادا کریں

معیارِ محبت کردار وعمل ہے نہ کہ گفتار وقول!

یہ ایک چشم کشا حقیقت ہے کہ آج ہر طرف مسلمان پریشان ہیں، ہر آئے دن مسلمانوں کو جبر واستبداد اور آزمائشوں کی چکی میں پیسا جا رہا ہے، اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف انگشت نمائی ہو رہی ہے، وقفہ وقفہ سے ان کے مذہبی شعائر کی بے حرمتی و پامالی کی جاتی ہے، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب وشتم کیا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وصفات کو نشانہ بنایا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند پایہ شخصیت کو مجروح کرنے کے لئے نت نئے سازشوں کا جال بنا جاتا ہے؛ نیز ہر بے وفائی اور بدعہدی کا سہرا مسلمانوں کے سر رکھا جاتا ہے، اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان خود اپنی عزت و پہچان اور تشخص وشناخت کھو بیٹھے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی معزز ترین قوم آج رسوائے زمانہ بنی ہوئی ہے، اور ہر کسی نے شکوہ کی پٹی سر پر باندھ رکھی ہے، ان سب کی بنیادی وجہ سنت نبوی سے دوری اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتۂ محبت واطاعت کا ضعف ہے؛ کیوں کہ ہماری زندگی میں نہ تو اخلاق کی جھلک ہے نہ کردار کی رمق، شب وروز سنتوں کا جو قتل عام ہوتا ہے کہ الامان الحفیظ! حالانکہ نسلِ انسانی کی بحران کا مداوا اتباعِ رسول میں مضمر ہے، اور تاریخ گواہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ اور سیرت پر اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والی ننگِ انسانیت قوم رشکِ ملائک بن گئی، کامیابی کا معیار اور نجاح وفلاح کی کھلی شاہ راہ پیغمبر کی حیاتِ طیبہ ہے، ذاتِ

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی وروحانی ربط وتعلق زندگی کی اصل قیمت ولذت اور محبت کی اصل سوغات ہے؛ لیکن امت کا نبی کا تعلق کیسا ہونا چاہیے اس کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام ابن قیم جوزیؒ اپنی کتاب ”زادالمعاد“ کے مقدمہ“ میں رقم طراز ہیں:

”پس امت کو نبی کی معرفت کی ضرورت اس سے بھی زیادہ ہے جتنی بدن کو روح کی، آنکھوں کو روشنی کی، اور روح کو زندگی کی ضرورت ہے، پس بندہ کو دنیا میں جتنی چیزوں کا محتاج بنایا گیا ہے ان میں سب سے بڑی اور اہم ضرورت جو ہوسکتی ہے وہ بندہ کا اپنے رسول کا محتاج ہونا ہے، اگر مؤمن پل جھپکنے کے بقدر بھی نبی اور اس کی تعلیم سے غافل رہتا ہے تو اس کا دل اجڑ جاتا ہے اور وہ ماہئ بےآب کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ تڑپنے لگتا ہے؛ مگر اس مفارقتِ رسول کا احساس اور نقصان کا اندازہ صرف اسی قلب کو ہوسکتا ہے جو زندہ ہو“۔(۱۵،۱۶)

پیغامِ تحریر:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی امت کے لئے تمام دین و دنیا کے معاملات میں دستور العمل ہیں، اور وقت کا ایک اہم ترین تقاضہ یہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاننے اور پڑھنے کا اہتمام کیا جائے؛ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو اپنی ذات سے بھی زیادہ جاننا لازم وضروری ہے؛ نیز اخلاقِ نبوی کی خوبصورت پوشاک زیبِ تن کرلیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں اپنے آپ کو ڈھالیں، اور سنت نبوی کے قیمتی وگراں قدر زیور سے خود کو آراستہ کرلیں؛ ورنہ ہماری تیرہ بختی اور حرماں نصیبی ہوگی کہ ہم صحابہؓ کا سامنا بھی نہیں کرسکیں گے، تو پیغمبر اسلام جیسی پاکیزہ اور قدسی صفت ہستی کو کیا منہ دکھائیں گے؛ لہٰذا ابھی مطالعۂ سیرت اور اتباعِ سنن وآداب کا اہتمام شروع کردیں؛ نیز درود وسلام کی سوغات کا بھی التزام کریں؛ ورنہ

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

اصلاحی مضامین

عیادت: ہم دردی، غم گساری اور دل جوئی کا نبوی طریقہ

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی*

صحت؛ انسانی زندگی کے لیے اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے، اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے لیکن صحت ہمیشہ نہیں رہتی زندگی میں بہت بار آدمی بیمار ہوتا ہے، درد والم کی کیفیت سے گذرتا ہے اور صبر کرتا ہے وہ سوچتا ہے کہ اللہ رب العزت نے بیشتر ایام صحت کے ساتھ رکھا تو اس کا شکر تو ادا نہیں ہو پایا، اب چند ایام بیماری کے ہیں تو کیوں شکوہ کناں رہوں، یہ احساس اس کے اندر برداشت کی غیر مرئی قوت پیدا کرتا ہے، اس کی وجہ سے اس کے لیے دکھ اور تکلیف کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے، بیماری میں پریشانی اور غم کو کم کرنے، ہمدردی غمگساری اور دلجوئی کا ایک نبوی طریقہ عیادت بھی ہے اسی لیے بیماری چھوٹی ہو یا بڑی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیادت کا حکم دیا اور اس کے فضائل کثرت سے بیان کیے اور اسے اللہ کی رضا اور جنت کے حصول کا ذریعہ اور جہنم سے بُعد اور دوری کا سبب قرار دیا، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں بہت ساری صحیح روایات موجود ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کی عیادت کا بڑا ثواب ہے، بعض روایتوں میں اسے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق قرار دیا گیا ہے، ایک روایت میں اسے قرب خداوندی کا ذریعہ بتایا گیا، یہ قرب خداوندی اسی وقت حاصل ہوگی، جب عیادت صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے کی جائے، کوئی دنیاوی غرض اس میں پوشیدہ نہ ہو، عیادت کرنے والا اس خوف سے عیادت نہ کر رہا ہو کہ اگر عیادت نہیں کیا تو لوگ کیا کہیں گے۔

اس سلسلے میں ایک روایت حضرت علیؓ سے مروی ہے، جسے ترمذی نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے صبح کو جاتا ہے تو ستر (۷۰) ہزار فرشتے شام تک اس کے حق میں رحمت کی دعائیں کرتے ہیں، اور جنت میں عیادت کرنے والوں کے لیے ایک باغ اس پر مستزاد ہوگا، صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبانؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی نقل کرتے ہیں کہ جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت اور مزاج پرسی کرتا ہے تو واپسی تک جنت کے باغوں اور پھلوں کے درمیان رہتا ہے۔

* نائب ناظم امارت شرعیہ بہار واڈیشہ وجھارکھنڈ

خود حضور ﷺ کا معمول مریضوں کی عیادت کرنے کا تھا، حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوگیا تو نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، اس وقت مجھ پر غشی طاری تھی، حضور ﷺ نے وضو کیا اور وضو کے بچے ہوئے پانی سے میرے اوپر چھینٹیں ماری تو مجھے ہوش آ گیا، ان روایتوں کی بنیاد پر علماء نے عیادت کو سنت قرار دیا ہے، کیوں کہ عیادت کی فضیلت پر قولی و فعلی احادیث کثرت سے آئی ہیں۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ پوچھیں گے کہ تم نے میری عیادت نہیں کی، بندہ کہے گا کہ یا اللہ تجھے عیادت کی کیا ضرورت ہے تو ان چیزون سے بے نیاز ہے، اللہ کہیں گے کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت اور مزاج پرسی نہیں کی، اگر تو اس بندہ کی عیادت کرتا تو تُو مجھے اس کے قریب پاتا، اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بیماری کی حالت میں بندہ اللہ سے قریب ہوتا ہے اور وہ اپنے مرض کی شدت پر جو صبر کرتا ہے اور صحت کی حالت پر جو شکر ادا کرتا ہے اس کی وجہ سے اسے اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے، اسی لیے بعض روایتوں میں مریض کی دعا کے مقبول ہونے کی بات بھی کہی گئی ہے، ظاہر ہے اس کی وجہ قربت خداوندی ہی ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ اسلام میں عیادت کی بنیاد مذہبی نہیں، انسانی ہے، اس لیے مریض کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو اس کی عیادت کرنی چاہیے تا کہ اس کے دل میں اسلام کی عظمت جاگزیں ہو اور مسلمانوں سے نفرت کا احساس کم ہو سکے، جو بعض داخلی اور خارجی وجوہات کی وجہ سے اس کے دل و دماغ اور سوچ و فکر کا خاص طور پر حصہ بن گیے ہیں، مشہور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس بڑھیا کی عیادت کی جو آپ کے جسم اطہر پر گرد و غبار ڈالا کرتی تھی اور راستے میں کانٹے بچھاتی تھی۔ آج کے نفرت کے اس ماحول میں غیر مذاہب والوں کی عیادت کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم دوسرے اعمال کی طرح اس کام میں بھی انتہائی کاہل اور سست واقع ہوئے ہیں، ہمارے پڑوس میں ہمارا بھائی رہتا ہے، لیکن ہم اس بیمار بھائی اور پڑوسی کی عیادت کے لیے حاضر نہیں ہو پاتے، حاکموں کا حال ماتحتوں کے سلسلے میں آقا کا حال نوکر اور مزدورں کے سلسلے میں تو اور بھی ناگفتہ بہ ہے، انہیں فون پر دریافت حال کی بھی فرصت نہیں ہوتی، اس سے مستثنیٰ صرف اپنے بیوی بچے ہوتے ہیں ذرا سی چھینک آن پڑی اور سر درد کی خبر آئی نہیں کہ ہم بے چین ہو اٹھتے ہیں، لیکن دوسرے کہ جاں بلب ہونے کی خبر پر بھی ہمارے جسم پر جوں تک نہیں رینگتی، یہ حال ہم مسلمانوں کا مسلمانوں کے ساتھ ہے، جب کہ ایک مسلمان کا دوسرے پر حق ہے، دیگر مذاہب والوں کی عیادت کا تو ہمیں خیال بھی نہیں آتا۔ حالانکہ آج کل ذرائع ابلاغ نے اتنی

وسعت حاصل کر لی ہے کہ مریض کی عیادت کے لیے سفر کرنا بھی ضروری نہیں ہے، اب تو ویڈیو کانفرنسنگ اور کالنگ کے ذریعہ دور دراز سے آمنے سامنے بات ہو سکتی ہے، لیکن سہولتیں جس قدر ہیں ہماری بے اعتنائی بھی اسی قدر ہے، عیادت کرنے والے بعض افراط کے بھی شکار ہوتے ہیں، بعض لوگ شب و روز فون کر کے اتنی بار خیریت دریافت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ طبیعت گراں بار ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، اسلام میں عیادت صرف مزاج پرسی کا نام نہیں ہے، بلکہ ہمدردی، غم گساری، دل جوئی اور دلداری کا نام ہے، اس کے بھی اصول و آداب ہیں، ہدایت دی گئی ہے کہ مریض کے سامنے اس کی درازی عمر کی بات کی جائے، ایسی باتوں سے وقت مقررہ تو بدلے گا نہیں، لیکن مریض کو مرض سے لڑنے کا حوصلہ ملے گا۔ حدیث میں ’’لا باس طهور انشاء الله‘‘ وغیرہ کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے، اسی طرح بعض لوگ آتے تو عیادت کے لیے ہیں، لیکن آداب عیادت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کہنے لگتے ہیں کہ یہ مرض تو بڑا سخت ہے، فلاں شخص کی موت اسی مرض میں ہو گئی تھی، ایسے جملوں سے ہر حال میں احتراز کرنا چاہیے تاکہ مریض اپنی زندگی سے مایوس نہ ہو جائے، اس کے سامنے امید افزا جملے کہے جائیں تاکہ وہ اپنے دل میں خوشی محسوس کرے اور مرض کو ہلکا سمجھے اس سے اس کی قوت مدافعت میں اضافہ ہوگا، ہم سب جانتے ہیں کہ بعض مرض صرف قوت مدافعت ختم ہونے کی وجہ سے موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔

عیادت کے لیے آنے والوں کے ذہن میں یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ مریض کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں، اسے دوا کھانا ہے، قضائے حاجت کا تقاضہ ہے، دوسری خدمات درکار ہیں، ظاہر ہے اگر عیادت کرنے والا دیر تک بیٹھا رہے گا تو مریض کی بہت ساری ضرورتوں کی تکمیل میں رکاوٹ ہو سکتی ہے، اس لیے مریض کے پاس مختصر قیام کرنا چاہیے، سوائے اس کہ جب اس کی طویل نشست مریض کے لیے انسیت کا سبب ہو اور وہ عیادت کرنے والوں کے بیٹھنے سے تقویت محسوس کرے، ایسے میں مریض کی دل جوئی کے لیے بیٹھنے میں حرج نہیں ہے، اسی لیے جو مستقل تیمار دار ہے وہ اس اصول سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ وہ مریض کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہی اس کے پاس فروکش رہتا ہے۔

بخاری اور مسلم کی روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو مریض کے لیے دعا فرماتے کہ پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور کر کے شفا عطا فرما دے تو ہی شفا دینے والا ہے، ایسی شفا عطا فرما دے جو بیماری کا اثر بالکل زائل کر دے۔ حدیث میں اور بھی دعائیں عیادت کے وقت منقول ہیں یاد ہو تو اس کا پڑھنا بھی مریض کے لیے فائدہ مند ہوگا۔

دعوتِ فکروعمل

بلاسودی قرض: ضرورت اور طریقہ کار

مفتی محمد نوید سیف حسامی ایڈووکیٹ

ڈاکٹر محمد امجد ثاقب پڑوسی ملک کے شہری ہیں، پیشہ سے ڈاکٹر ہیں لیکن ڈاکٹری کو پیشہ نہیں بنایا، ۱۹۸۵ء میں پڑوسی ملک کی سول سرویس جوائن کی اور ۲۰۱۳ء میں حکومت کے مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہنے کے بعد استعفیٰ دے دیا، ۲۰۰۰ء میں ان کی پوسٹنگ پنجاب کے ایک دیہی علاقے میں ''پی آر ایس پی'' پنجاب رورل سپورٹ پروگرام کے جنرل مینیجر کی حیثیت سے ہوئی، یہ حکومتی ادارہ دیہات میں بسنے والوں کے لئے مختلف رفاہی وفلاحی پروگرامس چلاتا تھا، انہی میں ایک اسکیم کے تحت دیہاتیوں کے لئے قرض کی اجرائی بھی تھی، ایک دن ڈاکٹر امجد ثاقب اپنے دوستوں کے ہمراہ دیہاتوں کے دورے پر ''پی آر ایس پی'' کے فلاحی اقدامات کے اثرات دیکھنے کے لئے نکلے، وہاں ایک خاتون سے ملاقات ہوئی جس نے اس محکمہ سے دس ہزار روپے بطور قرض لئے تھے، ڈاکٹر صاحب نے خاتون سے پوچھا کہ ان دس ہزار سے کیا فائدہ اٹھایا ہے؟ تو خاتون نے جواب دیا ''عموماً میرے بچے ایک وقت کا ہی کھانا کھا پاتے ہیں لیکن جب میں قرض لیتی ہوں تو دووقت کی روٹی اپنے بچوں کو کھلا پاتی ہوں'' غریب خاتون کا یہ جواب سن کر امجد ثاقب صاحب اور ان کے ساتھی دنگ رہ گئے۔

ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے مشاہدہ کیا کہ حکومت غریب دیہاتی عوام کو آسان قسطوں پر چھوٹے قرضے فراہم تو کررہی ہے جو کہ ان کی مالی حالت کو مستحکم کرنے اور غربت دور کرنے میں مددگار ہوتا ہے اور لوگ اس قرض سے چھوٹا ہی سہی اپنا خود کا کاروبار شروع کرتے اور حکومت کا قرض حکومت کو واپس کردیتے ہیں لیکن اس قرض فراہمی کی یہ اسکیم سود کی لعنت سے پاک نہیں تھی، بعض اوقات یہ سود کی شرح (جسے سود کے بجائے سروس چارجز کا نام دیا گیا تھا) ۳۰ سے ۴۰ فیصد اور کبھی ۵۰ فیصد تک پہونچ جاتی تھی، سود چاہے کسی بھی مذہب میں ہو یا معاشرہ میں؛ بری نظر سے ہی دیکھا جاتا ہے، یہ بات ڈاکٹر صاحب کے دل کو لگی اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ آسان اقساط پر بلاسودی قرض کی اسکیم شروع کریں گے، باہمت اور مضبوط عزم والے انسان تھے اور جن کے ارادے مضبوط ہوتے ہیں ان کے لئے اللہ رب العزت کی جانب سے راستے بھی ہموار ہونے لگتے

ہیں، چنانچہ ۲۰۰۱ء میں نہایت خاموشی سے ''دس ہزار روپے'' کے معمولی رقم سے انہوں نے اپنی تنظیم ''اخوت'' کی شروعات کی۔

اس تنظیم نے اپنے شروعاتی سات سالوں میں ''سات کروڑ روپے'' کے قرضے تقسیم کئے اور اب اس تنظیم کی جانب سے ہر ماہ ''چودہ کروڑ روپے'' کے قرضے تقسیم کئے جاتے ہیں، اس تنظیم کی پورے ملک میں آٹھ سو سے زیادہ شاخیں ہیں، ملازمین کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں سے اکثر بلا معاوضہ کام کرتے ہیں، تاحال اس تنظیم نے ایک سو اسی بلین پی کے آر یعنی ہندوستانی کرنسی کے اعتبار سے پانچ ہزار تین سو پچپن کروڑ روپے سے زیادہ بلاسودی قرضے تقسیم کئے ہیں، تعجب اور حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ بغیر کسی ضمانت کے یہ دیئے جانے والے قرضوں کی واپسی کا فیصد تقریباً ۹۹.۹% فیصد ہے، نہ صرف قرض لینے والے قرض واپس کرتے ہیں بلکہ اکثر لوگ تنظیم کے معاون و مددگار بھی بن جاتے ہیں۔

مارچ ۲۰۱۲ء میں امریکہ کی سب سے بڑی یونیورسٹی ''ہارورڈ'' نے ڈاکٹر امجد ثاقب صاحب کو اپنی یونیورسٹی آنے اور وہاں معاشیات کے موضوع پر ہونے والی ایک خصوصی تقریب سے خطاب کرنے کی دعوت دی جو دنیوی اعتبار سے اپنی جگہ خود ایک اعزاز ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ جو نوازیں گے اس کا تصور ہی کیا، یہ ڈاکٹر صاحب اور ان کی ٹیم کی کوششیں ہیں یا غریب قرض لینے والوں کی دعائیں یا دونوں ہی کہ آج ''اخوت'' نامی تنظیم دنیا کی سب سے بڑی بلاسودی قرض فراہم کرنے والی تنظیم ہے۔ (بحوالہ: اخوت کا سفر، اخوت ویب سائٹ)

یہ تو ایک فرد واحد کی کوشش پر ایک عظیم انقلاب کی بنیاد پڑی، لاکھوں لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور ہزاروں گھر آباد ہوئے، ہر ایک کی داستان الگ، ہر ایک کی کہانی مختلف، کسی بے سہارا نے سلائی مشینیں خرید کر گھر چلایا تو کسی نے ترکاری کا ٹھیلا لگا کر اپنے آپ کو خود کفیل بنایا، یہ داستان پڑھنے اور سننے میں تو ضرور حیرت انگیز لگتی ہے لیکن جو کمر باندھ لیں اور عزم کرلیں ان کے لئے تو کچھ بھی نہیں۔

اب ذرا اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیں کتنے ایسے ملیں گے جو کاروبار کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن شروعات کے لئے ان کے پاس سرمایہ نہیں، کتنی بیوائیں ایسی ہیں جو کسی مالدار و دولت مند کا انتظار خیرات کے لئے نہیں بلکہ قرض کے لئے کر رہی ہیں، کتنے یتیم ایسے ہیں جو اپنی جوانی پر بھیک کا داغ لگانا نہیں چاہتے لیکن کوئی ان کا پرسان حال نہیں، مالدار اپنے مال پر ناگ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں، امت کا درد تو ختم ہوا ہی ہے انسانیت کا لحاظ بھی باقی نہ رہا، افسوس تو اس بات کا ہے کہ مذہب اسلام سے وابستہ کئی افراد غیر مسلموں سے سودی قرض لیتے ہیں اور لے رہے ہیں، ''مائکرو فینانس'' کے نام پر دولت کے پجاریوں نے جگہ جگہ دوکانیں کھول لی ہیں اور دونوں

ہاتھوں سے غریب کو لوٹا جا رہا ہے، کہیں عزتیں بھی نیلام ہو جاتی ہیں، شرم سے سر اس وقت جھک جاتا ہے جب ۹۰ فیصد سے زیادہ مسلم آبادی والے محلوں میں سود خور اپنا قرض وصول کرنے کے لئے دندناتے آتے ہیں، دینے والوں سے لیتے ہیں اور نہ دینے والے کو سر عام ذلیل بھی کر جاتے ہیں اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسے آپس میں مذہب کی بنیاد پر بھائی بھائی بنایا گیا وہ اپنے ہی بھائیوں کی تذلیل پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

صدقہ وخیرات کے فضائل کو کثرت سے کہنے اور سننے کے باعث یا اپنے تحفظ کے خیال سے بعض سخی لوگوں نے صدقہ کرنے کی عادت ڈال لی ہے حالانکہ قرض دینے اور قرض دینے کے بعد غریب اور تنگدست کو مہلت دینے یا نظرانداز کرنے کے فضائل بھی کچھ کم نہیں ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: معراج کے سفر میں؛ میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا ''صدقہ کا ثواب دس گنا اور قرض ثواب اٹھارہ گنا (یعنی صدقہ سے زیادہ) ہے''، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا ''کیا وجہ ہے کہ قرض دینے کا ثواب صدقہ سے زیادہ ہے؟'' انہوں نے جواب میں عرض کیا'' مانگنے والا (کبھی کبھار) اپنے پاس مال ہوتے ہوئے بھی مانگ لیتا ہے لیکن قرض مانگنے والا ضرورت کے وقت ہی سوال کرتا ہے''۔ (ابن ماجہ: ۲۴۳۱) اسی لئے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں'' دو دینار قرض دینا مجھے صدقہ کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے'' (بیہقی: ۱۰۹۵۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں'' کسی چیز کو قرض میں دینا صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے'' (بیہقی: ۱۰۹۵۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ'' کسی چیز (پیسے وغیرہ) کو دو بار قرض میں دینا ایک بار صدقہ کرنے کے برابر ہے'' (سنن کبریٰ ۱۰۹۵۳) یعنی کسی آدمی نے ۵ ہزار قرض میں دیئے اور قرض لینے والے نے لوٹا دیئے اب دوبارہ کسی کو ۵ ہزار قرض میں دیئے تو اس شخص کے پیسے تو لوٹ کر اسی کے پاس آ جا رہے ہیں لیکن ۵ ہزار صدقہ کرنے کا ثواب بھی مل جائے گا، مقروض کو قرض کی ادائیگی میں سہولت دینے والوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھنے اور سننے لائق ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' ایک شخص کا معمول لوگوں کو قرض دینے کا تھا، وہ اپنے بیٹے کو کہا کرتا تھا کہ کوئی تنگدست قرض لے تو اس سے درگذر کرنا تاکہ اللہ رب العزت ہمارے معاملہ میں ہم سے درگذر کرے، پھر اس کا انتقال ہوا اور اللہ کے سامنے حاضری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی غلطیوں کو درگذر کیا اور اس کو معاف فرما دیا'' (مسلم شریف: ۱۵۶۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں'' اللہ رب العزت کے سامنے ایک مالدار کو پیش کیا جائے گا، پوچھا جائے گیا تم نے دنیا میں کیا کیا؟ وہ جواب میں عرض کرے گا، اے اللہ! آپ نے مجھے اپنے خزانے سے مال دیا، میں لوگوں سے معاملات کیا کرتا تھا اور میری طبیعت میں نرمی تھی، لہذا میں مالدار کو سہولت

دیتا تھا اور غریب کو نظر انداز کرتا تھا، اللہ رب العزت فرمائیں گے: مجھے زیادہ حق ہے کہ میں درگذر کروں، پھر فرشتوں سے فرمائیں گے میرے بندے سے درگذر کرو' (مسلم شریف: ۱۵۶۰)

ضرورت اس بات کی ہے کہ مالدار افراد آگے آئیں، اپنے مسلمان بھائیوں کو سودی قرضوں سے نجات دلائیں، اس کے لئے مندرجہ ذیل کام کئے جاسکتے ہیں:

(۱) ایسی تنظیموں اور اداروں کے بارے میں معلومات اکھٹا کریں جو بلاسودی قرض فراہم کرتے ہیں، ان کا طریقہ کار جانیں، سفر ممکن ہو تو اپنے ہم خیالوں کے ساتھ ایک دو دن وہاں قیام کر کے کام کو سیکھنے کی کوشش کریں، تجربات سے فائدہ اٹھائیں، سوال نہ کرنے والے کبھی علم میں اضافہ نہیں کر سکتے، اسی طرح یہ اور اس جیسی خدمات میں لگے ہوئے افراد کو بھی چاہئے کہ اپنے تجربات اپنی ذات تک محدود نہ رکھیں، انسانیت کی خدمت مقصود ہو تو افراد اور تنظیموں کی کثرت باعث مسرت ہی ہوتی ہے۔ (۲) کام سمجھ میں آجائے تو محلہ کے دردمند و سنجیدہ افراد کو ساتھ لیکر ایک تنظیم کی بنیاد ڈالیں جس کا کام صرف اور صرف بلاسودی قرضوں کی فراہمی ہو، مالداروں سے ماہانہ ایک متعین رقم وصول کی جائے اور اسی رقم کو گنے چنے مستحق افراد ہی میں سہی قرض کے نام پر تقسیم کیا جائے، اگر آپ کے محلہ یا علاقہ میں اس طرز کا کام ہو رہا ہے تو فنڈ میں اضافہ کے ذریعہ اس کی مدد کریں اور اپنا قیمتی وقت دے کر اس کو مضبوط کریں۔ (۳) امت کا درد رکھنے والے نوجوان ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں، ان کو کام میں لایا جائے، ان کی دو دو کی ٹیمیں بنا کر غریبوں کا سروے کرنے، فنڈ جمع کرنے، رجسٹر سنبھالنے وغیرہ کے کام پر لگایا جائے۔ (۴) مہینے کی ایک تاریخ متعین کر کے قرض خواہوں کی درخواستیں وصول کی جائیں اور ان درخواست گذاروں کے احوال کی تحقیق کے بعد قرض جاری کیا جائے، پھر ہر ماہ یا ہر ہفتہ جو بھی ترتیب ہو اس اعتبار سے قرض وصول کیا جائے۔

۵) کام بہت آسان ہے بس ذرا ہمت کی ضرورت ہے، کام کی ابتداء کے لئے نہ تو آفس لازمی ہے اور نہ ہی کوئی شور شرابہ، نیت میں اخلاص ہوگا تو جس وقت دفتر کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ دفتر بھی بنا کر دیں گے اور ساری دنیا میں نام بھی چمکائیں گے۔

۶) کسی بڑی شخصیت یا کسی لیڈر کے انتظار میں نہ رہیں کہ وہ آگے بڑھیں گے تو کام ہوگا، ہرگز نہیں! آپ بھی اس امت کے ذمہ دار فرد ہیں آپ آگے بڑھیں گے تو لوگ بھی ساتھ دیں گے۔

۷) کام ابتداء میں شاید چھوٹا نظر آئے لیکن اگر کسی ایک کے گھر کا چولہا ہی اس سے جل جائے، کسی کے گھر کی رکی ہوئی گاڑی چل پڑے، کسی ایک کو سہی بھیک کی عادت نہ پڑے تب بھی کچھ نہ ہونے سے اتنا ہونا بہتر ہے۔

افاداتِ اکابر

چار کیمیا اثر نسخے

1۔نعمت اور خوبی پر شکر: روزمرہ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ کتنی ہی باتیں ہر روز ہماری مرضی ومنشاء کے موافق ہوجاتی ہیں۔مثلاً کسی شخص سے ملنے جانے کا ارادہ کیا تھا وہ راستے ہی میں مل گیا۔ پیاس لگ رہی بھی فریج کھولا تو پانی کی ٹھنڈی بوتل مل گئی ایسی سب باتیں باعث خوشی ہوتی ہیں۔ان پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالنا چاہئے کہ۔۔۔شکر کا کلمہ الحمد للہ ہے جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افضل ترین دعا قرار دیا ہے۔

2۔رنج و پریشانی پر صبر: اسی طرح کتنی ہی باتیں ہماری مرضی اور پسند کے خلاف ہوجاتی ہیں جن سے ہمیں رنج ہوتا ہے جیسے کہ گرمی لگ رہی تھی پنکھے یا کولر کا سوئچ کھولا تو معلوم ہوا بجلی کا کرنٹ ہی نہیں ہے یا بس پکڑنے گئے اور وہ ہمارے پہنچتے ہی نظروں کے سامنے روانہ ہوگئی۔ایسی تمام باتوں پر صبر کی عادت ڈالنا ہے اور صبر کا کلمہ جو ہر خلاف طبیعت معاملہ پر پڑھا جاسکتا ہے اور بڑے سے بڑے صدمہ سے لے کر معمولی رنج وفکر پر پورے یقین اور ترجمہ کو مدنظر رکھتے ہوئے پڑھنا چاہئے.وہ کلمہ"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" ہے یعنی ''ہم تو (مع مال واولاد کے حقیقۃً) اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور ہم سب دنیا سے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں''...

3۔گناہ پر استغفار: روزانہ کوئی نہ کوئی خطا ایسی سرزد ہوجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور پسند کے خلاف ہوتی ہے.ایسے ہر عمل پر توبہ واستغفار اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کی عادت ڈالنا ہے اور اس کا مختصر کلمہ ''استغفر اللہ'' ہے استغفار جہاں گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنا ہے وہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہونے کا باعث بھی ہے۔

4۔حفاظت کے لئے استعاذہ: آئندہ پیش آنے والی باتیں جو ذہنی یا دنیاوی اعتبار سے نقصان دہ ہیں. ان سے بچاؤ اور حفاظت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو استعاذہ (اللہ سے پناہ چاہنے) کی دعاؤں کا تحفہ دیا ہے.جن میں دنیا وآخرت کی ہر چھوٹی بڑی برائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے..اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن باتوں سے پناہ مانگی ہو وہ کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ ان کی بہت زیادہ اہمیت ہے...

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

کن مواقع پر درود شریف پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال: کن کن مواقع پر درود شریف پڑھنا مکروہ ہے؟

جواب: فقہاء نے لکھا ہے کہ درج ذیل مواقع پر درود شریف پڑھنا سخت بے ادبی اور مکروہ ہے:

۱۔ جماع کے وقت۔

۲۔قضائے حاجت کے وقت۔

۳۔ٹھوکر لگنے کے وقت۔

۴۔تعجب کے وقت۔

۵۔جانور ذبح کرتے وقت۔

۶۔ناک سنکنے کے وقت۔

۷۔ بیچنے کے وقت، کسی سامان کی اچھائی ظاہر کرنے کے لئے (مثلاً سامان دکھا کر یہ کہے: اللھم صل علی محمد)

۸۔آج کل جو لوگ موبائل کی گھنٹیوں میں درود شریف وغیرہ فیڈ کر لیتے ہیں، یہ بھی بے ادبی اور مکروہ ہے، اور درود شریف کا غلط استعمال اور بے جا استعمال ہے،اس سے احتراز کرنا چاہئے۔(کتاب المسائل، ۳/ ۴۹۵)

نکاح کے بعد چھوہارے اچھالنا

سوال: نکاح کے بعد چھوہارے اُچھالنا کیسا ہے؟

جواب: نکاح کے بعد چھوہارے وغیرہ تقسیم کرنا لازم نہیں ہے، تاہم ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک نکاح کی مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں، کھجوریں، بادام وغیرہ اُچھالے گئے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اجازت سے حاضرین مجلس صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے انہیں لپک کرلے لیا۔(کتاب المسائل، ۴/ ۸۳)

کورٹ میرج کا حکم

سوال: کورٹ میرج کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ نکاح شرعاً معتبر ہے؟

جواب: سرکاری عدالت میں غیر مسلم لوگوں کے سامنے جو نکاح کی کاغذی کاروائی کی جاتی ہے، وہ شرعاً معتبر نہیں ہے جب تک کہ دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں زبانی ایجاب وقبول نہ پایا جائے، کورٹ میرج کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔(کتاب المسائل، ۴/ ۹۶) اور دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول پایا جائے تو یہ نکاح ہوجائے گا۔

رنگ ٹون میں اذان، آیتِ قرآن یا نعت بھرنا

سوال: کسی شخص کا اپنے موبائل کی رنگ ٹون میں اذان، آیتِ قرآن یا نعت وغیرہ کو لگانے کا کیا حکم ہے؟

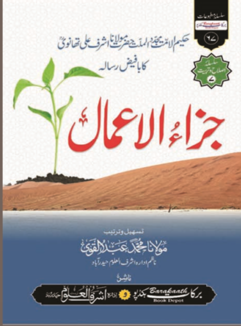
جواب: رنگ ٹون کا مقصد اس بات کی اطلاع دینا ہے کہ کوئی شخص آپ سے بات کرنے کا متمنی ہے؛ گویا یہ دروازہ پر دستک دینے کا حکم ہے، اس اطلاعی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے، قرآن پاک کی آیات، یا اذان کی آواز کو استعمال کرنا بے محل ہے،؛ بلکہ ایک درجہ میں ان سے مقدس کلمات کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے، لہٰذا موبائل میں آیات، اذان وغیرہ کو فیڈ کرنا درست نہیں ہے، علاوہ ازیں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی استنجاء خانہ میں موبائل لے کر چلا جاتا ہے، اور وہیں کال آنے پر آواز آنی شروع ہوجاتی ہے، اس میں اہانت کا پہلو نکلتا ہے، اس سے بہر حال احتراز لازم ہے۔(کتاب النوازل، ۱۷/ ۸۷)

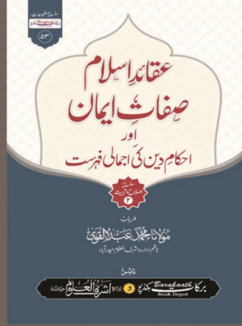
حضرت جبرئیلؑ کے ٹاٹ کا لباس پہن کر آنے کے واقعہ کی تحقیق

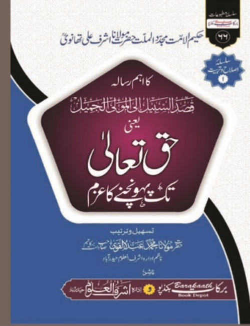
سوال: لوگوں میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل ٹاٹ کا لباس پہن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معلوم کیا کہ جبرائیل یہ لباس کیسا؟ تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ میں ہی نہیں بلکہ آج سارے فرشتوں کا یہی لباس ہے، وہ اس وجہ سے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال آپ پر لگا کر خود ٹاٹ کا لباس پہن رکھا ہے، آپ کے ابوبکرؓ کی مشابہت کی وجہ سے میرا اور سارے فرشتوں کا یہی آج لباس ہے۔ تو معلوم کرنا ہے کہ کیا یہ روایت درست ہے؟

جواب: حضرت جبرئیل کے ٹاٹ پہن کر حاضر ہونے والی روایت قطعاً جھوٹی اور موضوع ہے، ایسی موضوع روایت کو عوام کے سامنے نہیں بیان کرنا چاہیے۔(کتاب النوازل، ۱۷: ۱۹۱)۔

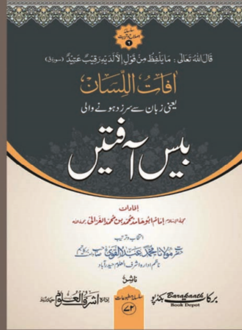
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Jan-24, date of Posting 5th Jan-24

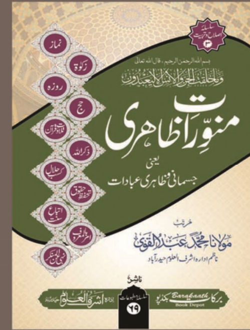


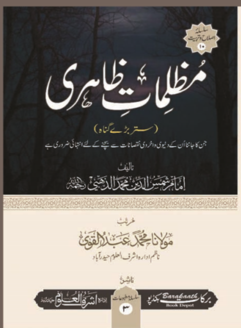


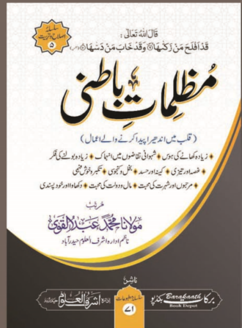


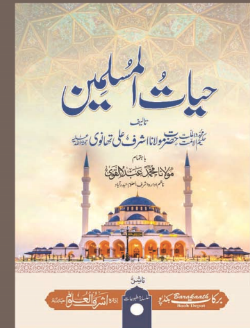












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59